خلافت راشدہ	بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	حق چار یار
شمارہ نمبر ۴۱	وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ۝	اکتوبر ۲۰۲۵ء

مجلہ پشاور

راہ ہدایت

- عامی چار مذاہب میں سے کسی ایک کو ترجیح کیسے دے گا؟
- حدیث عمار پر شبہات کا رد
- کھلا خط بنام مفتی عامر عثمانی صاحب مدظلہ
- امام حاکم پر تشیع کے الزام کا جائزہ
- دفاع نہیں، اقدام کا وقت ہے
- مسئلہ سماع موتی زمانہ صحابہ سے اختلافی ہے مگر تکفیر فتنہ مماتیہ کی ایجاد ہے

مدیر اعلی

حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر

خادم اہلسنت طاہر گل دیوبندی

ناشر

نوجوانان احناف طلباءِ دیوبند پشاور

03428970409

عقیدہ ختم نبوت زندہ باد   یااللہ مدد   عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ باد

بفیضان

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المحققین حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مجلہ   پشاور

راہِ ہدایت

بیاد

امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

قائد اہلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ

ترجمان علماء دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ

مناظر اسلام حضرت مولانا حبیب اللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسماعیل محمدی رحمۃ اللہ علیہ

زیرسرپرستی

متکلم اسلام حضرت مولانا سجاد الحجابی دامت برکاتہم

مناظر اسلام حضرت مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی مدظلہ

حضرت مولانا مفتی محمد ندیم محمودی الحنفی صاحب حفظہ اللہ

محقق اہل سنت حضرت مولانا مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ

مناظر اسلام مولانا مفتی نجیب اللہ عمر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی محمد وقاص رفیع حفظہ اللہ

حضرت مولانا مفتی محمد طلحہ صاحب حفظہ اللہ

حضرت مولانا محمد محسن طارق الماتریدی حفظہ اللہ

حضرت مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ

حضرت مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ

مدیراعلی

حضرت مولانا خیر الامین قاسمی حفظہ اللہ

نائب مدیر

طاہر گل دیوبندی عفی عنہ

فہرست مضامین (شمارہ نمبر ۴۱)

شمار	عنوانات	صفحہ
1	عامی چار مذاہب میں سے کسی ایک کو ترجیح کیسے دے گا؟ (مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ)	1
2	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر فریاد کر کے روٹی مانگنا (ایک اعتراض کا جواب) (مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ)	4
3	کھلا خط بنام مفتی عامر عثمانی صاحب مدظلہ، مالیگاؤں (محترم ابو سعد لئیق رحمانی صاحب حفظہ اللہ)	20
4	امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے الزام کا جائزہ (مفتی عصمت اللہ نظامانی صاحب حفظہ اللہ)	31
5	حدیث عمار رضی اللہ عنہ پر شبہات کا رد (مولانا معاویہ حسینی صاحب حفظہ اللہ)	52
6	مسئلہ سماع موتیٰ زمانہ صحابہ سے اختلافی ہے مگر تکفیر فتنہ مماتیہ کی ایجاد ہے (مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ)	72
7	احادیث کے ردو قبول میں غیر مقلدین کی من مانیاں (قسط:۵) (مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ)	96
8	دفاع نہیں اقدام کا وقت ہے، علماء و مناظرین کی خدمت میں چند سنجیدہ معروضات (محترم ابو سعد لئیق رحمانی صاحب حفظہ اللہ)	111
9	غیر مقلدین کا نماز نبوی سے اختلاف (مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ)	114

نوٹ: گزشتہ شماروں کی پی ڈی ایف حاصل کرنے کے لئے 03428970409 پر واٹس ایپ کیجئے۔

=÷=

مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ

عامی چار مذاہب میں سے کسی ایک کو ترجیح کیسے دے گا؟

جماعۃ المسلمین، غیر مقلدین اور مذہب بیزار لبرل قسم کے لوگ اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جی مذاہب چار ہیں اب ایک عام آدمی چار مذاہب میں سے کسی ایک کو ترجیح کیسے دے گا؟ اگر کہو گے کہ دلیل کی بنیاد پر ترجیح دے گا تو یہ باطل ہے اِس لئے کہ اِس بیچارے کے پاس تو اتنا علم نہیں ہے کہ چار مذاہب کی طرف منسوب فقہ مدونہ کا مطالعہ کر کے بعد ازاں کسی ایک مذہب کو اختیار کر لے۔ اگر کہو گے کہ بغیر دلیل کسی ایک مذہب کو اختیار کرے گا تو یہ بھی باطل ہے اِس لئے کہ اِس طرح کرنے سے ایک عاقل آدمی ساری زندگی اِس الجھن اور پریشانی میں مبتلا رہے گا کہ میں نے ایک مذہب کو اختیار تو کیا ہے اُسی پر عمل پیرا ہوں لیکن ہو سکتا ہے دوسرا مذہب یعنی مذہبِ شافعی مالکی وغیرہ صحیح ہو۔

تو یہ ایک ایسی پریشانی ہے جو انسان کی پوری زندگی کو اجیرن بنا ڈالے گی یعنی ایک نہ ختم ہونے والی پریشانی ہے، انسان کے بس ہی میں نہیں کہ تا موت اِسکو برداشت کر لیں بالفاظ دیگر اِسکو "**تکلیف مالا یطاق**" کہا جائیگا یعنی انسان کو ایسی چیز کا مکلف بنانا جو اِسکے بس ہی میں نہیں۔ حالانکہ یہ چیز آیت قرآنی: "**لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْساً إِلَّا وُسْعَهَا**" کی رو سے باطل ہے۔ تو پتہ چلا کہ چار مذاہب میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینا **تکلیف مالا یطاق** کے قبیل سے ہے لہٰذا چاروں مذاہب ہی سرے سے باطل ہیں۔

جواب:

اعتراض کو اگرچہ رنگ کچھ علمی و تحقیقی دیا گیا ہے لیکن یقین کیجئے پورا اعتراض خالصتاً شک، وسوسے اور جہالت پر مبنی ہے۔ صاحبِ اعتراض کو ترجیح کے طرق معلوم ہوتے تو ایسے بے جا اور فضول قسم کے اعتراضات کبھی بھی اُنھیں لاحق نہ ہوتے۔

دیکھئے ترجیح کے دو طریقے ہیں:

ایک یہ کہ ہر ہر مسئلہ میں مذاہبِ اربعہ کے دلائل کا تفصیلی علم حاصل کر کے پھر کسی ایک مذہب کو ترجیح دے، ظاہر ہے یہ کسی عامی کی بس کی بات نہیں اِس لئے یہ طریقہ ممکن ہی نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عامی کی ترجیح اجمالاً و مختصراً ہوتی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ ماہرینِ فن، فقہائے کرام، محدثین عظام اور علمائے کرام کا رجحان کس طرف ہیں؟ تواِن حضرات کو دیکھتے ہوئے یہ کسی ایک مذہب کو ترجیح دیتا ہے۔ جیسے کوئی مریض کسی ڈاکٹر کے ہر ہر نسخہ کو چیک کرنے کی حیثیت و اہلیت نہیں رکھتا مگر اجمالاً جانتا ہے کہ فلاں ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں مریضوں کو شفاء بخشی ہے اور علاقہ بھر کے بڑے بڑے ڈاکٹرز اس سے مشورہ لیتے ہیں اور اِنہیں اپنا مقتداء مانتے ہیں۔ جیسے پہلوان رستم کو، اطباء جالینوس کو، محدثین امام بخاری رحمہ اللہ کو اور مجتہدین امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو اپنا امام مانتے ہیں۔ تواِن حضرات کے متواتر شہادتوں سے اُسکی فضیلت کا یقین دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے۔ اِسی طرح عامی آدمی کے دل میں ایک امام کی فضیلت کا اعتقاد اُتر جاتا ہے۔ اِسی لئے اُس کی طرف منسوب مذہب اور اہل مذہب کی طرف مائل ہوتا ہے۔ دیکھئے عامی بھی صحیح بخاری کی حدیثوں کو دوسری حدیثوں پر ترجیح دیا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اِس عامی نے بخاری کی ہر ہر سند اور ہر ہر راوی کو چیک نہیں کیا بلکہ ائمہ فن یعنی محدثین ان کو اپنا امام مانتے ہیں۔ یہی دلیلِ اجمالی عامی کیلئے وجہ ترجیح ہے۔

دوسری بات یہ کہ بعض اوقات عوام کے لئے وجہ ترجیح سہولت ہوتی ہے جس طرح یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اجتہادات سہل الحصول تھے یعنی آسانی سے لوگوں کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور فتوے مل جاتے تھے۔ اِس لئے یمن کے لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے ہی فتاویٰ پر بلا مطالبہ دلیل عمل کرتے تھے، اِسی طرح پاک وہند میں حنفی مسلک کے مفتی ہر جگہ موجود ہے اور یہی مذہب سہل الحصول ہے اِسی لئے ان ملکوں کے تمام محدثین، فقہائے عظام، مفسرین، سلاطین، مجاہدین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے رہے ہیں۔

تیسری بات - عوام اہل اسلام یہ بھی جانتے ہیں کہ اختلاف دین و دنیا نہایت مضر اور نقصان دہ ہے جبکہ اتفاق واتحاد مطلوب ومرغوب ہے۔ دیکھئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ افضل نماز وہ ہے جس کا قیام لمبا ہو اور قرأۃ قرآن زیادہ ہو مگر جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے لمبی سورت پڑھنے سے جماعت سے ایک آدمی کٹ گیا تو آپ علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سخت الفاظ میں تنبیہ کیا (بخاری شریف)۔

الغرض اگر ایک واجب کے ادا کرنے کے دو طریقے ہو مگر ایک طریقہ میں امت کا اتفاق رہتا ہو اور دوسرے طریقے میں اختلاف پڑتا ہو تو جو طریقہ اتفاق والا ہوگا وہی راجح رہے گا۔ چونکہ اِس ملک میں شروع سے

ہی سب حنفی مسلک پر رہے ہیں اِس لئے عوام کے لئے بھی ترجیح اِسی مسلک حنفی کو ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں اتفاق رہتا ہے۔ چنانچہ تاریخ اِس بات پر گواہ ہے کہ ایک ہزار سال سے زائد عرصہ تک یہاں صرف حنفی تھے تو اتفاق بھی تھا، مساجد خالص عبادت گاہیں تھیں، کوئی خاص لڑائی جھگڑا نہیں تھا اور یہ بات بھی تواتر اور تاریخ سے ثابت ہے کہ جب سے غیر مقلدین یہاں پیدا ہوئے تب سے اختلاف کا بازار گرم ہو گیا ہے، ہر مسجد میدان جنگ بن گئی ہے، سینکڑوں مساجد کو تالے لگے، ہزاروں روپے مسلمانوں کے مقدمات میں گئے، اور بعض مقدمے ہائیکورٹ سے گزرے لندن تک پہنچے، اور یہ فتنے صرف تقلیدِ امام سے انحراف کے نتیجے میں ظاہر ہوئے۔ اِس لئے اس ملک میں ایک عامی کیلئے یہ اجمالی دلیل کافی ہے کہ حنفیت میں اتفاق ہے اور ترکِ تقلید میں اختلاف و انتشار ہے۔ اِسی طرح جس ملک میں جونسا مذہب رائج ہو مذاہبِ اربعہ میں سے وہی مذہب راجح ہو گا۔

صحیح بخاری شریف سے ثابت ہے کہ آپ علیہ السلام کی زبردست دلی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کو بناء ابراہیمی پر تعمیر کروادیں، مگر آپ علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا، اِس لئے کہ کچھ لوگوں کے دین سے بیزار ہونے کا ڈر تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی طریقہ میں دین بیزاری کا خطرہ ہو اور دوسرے طریقہ میں یہ خطرہ نہ ہو تو جس طریقے میں خطرہ ہو وہ مرجوح ہو گا، اِسی طرح ترکِ تقلید کے اِس مختصر سے عرصے میں لوگوں میں جتنی دین بیزاری پیدا ہوئی ہے اِس کا ہزاروں حصہ بھی تقلیدی دور میں نظر نہیں آتا۔ تو ایک عام آدمی کیلئے یہ اجمالی دلیل کافی ہے کہ اپنے علاقے میں رائج مذہب کو چھوڑنے میں دین بیزاری پھیلتی ہے اور اس سے حفاظت ایک معین مذہب کی پیروی ہی میں ہے۔ یہ بھی یاد رہے ایسے اجمالی دلائل جاننے کی وجہ سے کسی ایک مذہب کو ترجیح دینے میں اصطلاحی طور پر یہ عامی نہ مقلد ہے نہ مجتہد - کیونکہ تقلید فروعی مسائل میں کی جاتی ہے۔ جیسے بخاری کی حدیث کو ترجیح دینے کی وجہ سے عامی مجتہد نہیں بنتا۔ بالکل یہاں بھی یہی مسئلہ ہے۔ ہاں لغۃً ایسے آدمی کو مقلد یا مجتہد کہا جا سکتا ہے۔ ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ ترجیح کا سوال تو تب پیدا ہوتا ہے جہاں مذاہب دو تین یا چار موجود ہو ہمارے علاقے میں تو صرف ایک ہی مذہبِ حنفی موجود ہے لہٰذا ترجیح کا سوال ہی غلط ہے۔ البتہ جس خطے میں ایک سے زیادہ مذاہب موجود ہو تو وہاں یہ آدمی طرقِ ترجیح سے کام لیکر کسی بھی مذھب کو ترجیح دے سکتا ہے کیونکہ چاروں مذاہب صحیح اور حق ہیں۔ ضرور وہاں کسی ایک مذہب کو اختیار کرنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں راہِ اعتدال نصیب فرمائیں!

مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ

(بسلسلہ توضیحات عباراتِ اکابر عبارت نمبر ۲)

رسول اللہ ﷺ کی قبر سے فریاد کر کے روٹی مانگنا

اہلِ باطل (غیر مقلدین، مماتی، بریلوی) علماءِ دیوبندؒ کی ایک منقول عبارت لے کر اس پر اپنی سقیم فکر و فہم کی بنیاد پر مختلف قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔

پہلے وہ واقعہ بمع اصل عبارت ملاحظہ کیجیے جسے اہلِ باطل نے عقیدہ بنا کر اور پھر اپنی طرف سے از خود غلط تشریح کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

شیخ زکریا صاحبؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"ابن جلاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا، مجھ پر فاقہ تھا۔ میں قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور! میں آپ ﷺ کا مہمان ہوں۔ پھر مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔" (وفاء)

[فضائلِ حج، منسلک فضائلِ صدقات، صفحہ 792، واقعہ نمبر 23، ناشر: مکتبہ عمر فاروق، قصہ خوانی بازار پشاور]

اب اس واقعہ پر مختلف قسم کے اعتراضات ہوئے ہیں، لیکن سب کو نقل کرنا محض ضیاعِ وقت ہے۔ البتہ ان سب اعتراضات کا خلاصہ اور لبِّ لباب یہی ہے کہ:

علماءِ دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ قبروں والوں سے حاجت اور مدد مانگنا جائز ہے، العیاذ باللہ۔

چنانچہ عبید الرحمن محمدی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ان واقعات میں قبروں والوں سے سوال کرنے کی خوب ترغیب دی گئی ہے۔۔۔ نبی ﷺ اپنی قبر پر آنے والے ضرورت مندوں کی ضرورت کو جانتے اور ان کی حاجت پوری بھی کرتے ہیں۔"

(تبلیغی جماعت کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 97)

اور مولوی خان بادشاہ صاحب بھی شیخ زکریاؒ پر خوب برسا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

" وكَتَبَ كَثِيرًا مِنَ ٱلْوَقَائِعِ ٱلَّتِي كُلُّهَا خُرَافَاتٌ وَشِرْكِيَّاتٌ ٱلَّتِي لَا يَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَسْتَفُوهُ بِهَا فَضْلًا عَنِ ٱلْعَالِمِ سِيَّمَا مِثْلَ هَذَا ٱلْمُبَلِّغِ؛ يَنْبَغِي لَهُ ٱلرُّجُوعُ عَنِ ٱلْخُرَافَاتِ حَتَّىٰ لَا يُضَلَّ بِهَا ٱلنَّاسُ مِنَ ٱلْأَتْبَاعِ ٱلْمُسْلِمِينَ، وَإِلَّا كَيْفَ جَوَابُهُ لِرَبِّ ٱلْعَالَمِينَ يَوْمَ ٱلدِّينِ؟

(الصواعق المرسلة صفحہ 92)

ترجمہ: "اس نے بہت سے واقعات لکھے ہیں جو سب کے سب خرافات اور شرکیات ہیں، جن کے ساتھ مسلمانوں کا جڑنا ہرگز مناسب نہیں، چہ جائیکہ انہیں کسی عالم کی طرف منسوب کیا جائے، خصوصاً ایسے مبلغ کی طرف۔ پس اس کے لیے زیادہ مناسب یہ ہے کہ وہ ان خرافات سے رجوع کرے تاکہ مسلمان متبعین ان سے دھوکا نہ کھائیں، ورنہ روزِ قیامت وہ اپنے رب کو کیا جواب دے گا؟"

مزید لکھتے ہیں:

"أُنْظُرْ إِلَى ٱتِّبَاعِ هٰذَا ٱلْمُبَلِّغِ كَيْفَ كَانَ حَالُ عَقَائِدِهِمْ. لِأَنَّ حَالَ ٱلْمَتْبُوعِ هٰكَذَا. فَكَيْفَ حَالُ ٱلتَّابِعِ؟ وَقَدْ كَتَبَ هٰذَا ٱلْمُبَلِّغُ أَرْبَعِينَ مِنَ ٱلْخُرَافَاتِ لَيْسَ لَهَا ٱلْوُجُودُ فِي ٱلْأَدِلَّةِ ٱلشَّرْعِيَّةِ. وَكُلُّهَا مِنَ ٱلْكَلِمَاتِ ٱلْكُفْرِيَّةِ. أَعَاذَنَا ٱللَّهُ مِنْهَا.

يَنْبَغِي لِلْمُبَلِّغِ مُؤَلِّفِ فَضَائِلِ ٱلْحَجِّ أَنْ يُطَالِعَ كُتُبَ شَيْخِ ٱلْإِسْلَامِ ابْنِ تَيْمِيَّةَ حَتَّى لَا يَكُونَ مَذْمُومًا مَخْذُولًا. (ٱلصَّوَاعِقُ ٱلْمُرْسَلَةُ ص۹۱)

ترجمہ: "اس مبلغ کے پیروکاروں کو دیکھو کہ ان کے عقائد کا کیا حال تھا، کیونکہ جب متبوع (رہنما) کا یہ حال ہے تو تابع (پیروکار) کا حال کیا ہوگا؟

اور اسی مبلغ نے چالیس خرافات گھڑ ڈالیں جن کا شرعی دلائل میں کہیں وجود نہیں، اور یہ سب کے سب کفریہ کلمات ہیں، اللہ ہمیں ان سے محفوظ رکھے۔

فضائلِ حج کے مؤلف مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرے تاکہ وہ ملامت زدہ اور رسوانہ ہو۔"

اور پھر ایک سطر بعد یہی اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"كَيْفَ قَالَ إِنَّهُ جَاءَ رَجُلٌ إِلَىٰ قَبْرِ ٱلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ ٱللَّهِ، إِنِّي ضَيْفُكُمْ، فَنَامَ، فَأَعْطَى له ٱلنَّبِيُّ ﷺ خُبْزَتَيْنِ، فَأَكَلَ إِحْدَىٰ هما فِي ٱلنَّوْمِ، وَلَمَّا ٱسْتَيْقَظَ كَانَتِ ٱلْأُخْرَىٰ عِنْدَهُ مَوْجُودَةً.

ترجمہ:

"یہ کس طرح کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی قبر مبارک پر آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کا مہمان ہوں۔ پھر وہ سو گیا تو نبی ﷺ نے اسے دو روٹیاں عطا کیں۔ اس نے ایک روٹی خواب ہی میں کھالی اور جب بیدار ہوا تو دوسری روٹی واقعی اس کے پاس موجود تھی!"

(دیکھیے الصواعق المرسلۃ صفحہ 91)

جواب:

اولا: یہ عقیدہ نہیں اللہ کے بندوں! بلکہ یہ محض ایک واقعہ ہے، اور وہ بھی اسلافؒ ہی سے منقول۔ (آگے ان شاء اللہ حوالہ جات آرہے ہیں)۔ لہٰذا عقیدہ اور کسی مسئلے کی فضیلت کے لیے بطورِ تائید اسلاف ہی سے کوئی واقعہ نقل کرنے میں بہت فرق ہے۔ اہلِ باطل کو چاہیے کہ اپنی جہالت کی دنیا سے باہر آئیں اور خرقِ عادت کے طور سہی ذرا انصاف سے مطالعہ کریں:

جہالت کا مرض جس دل میں جاگزیں ہو جائے
دلیل وعلم کی روشنی بھی بے اثر ہو جائے

یاد رکھیے! کسی بزرگ یا شیخ کی طرف سے منقول واقعات کو عقائد کے باب میں معیار بنانا نہ اہلِ حق کا طریقہ ہے اور نہ ہی اسلاف کا۔ بلکہ یہ واقعات صرف تبرکاً، یا بطور تائید وحکایت ذکر کیے جاتے ہیں۔

ثانیاً: یہ واقعہ بذاتِ خود ایک خواب کا واقعہ ہے، اور خواب سے کچھ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ اس پر بھی ذرا غیر مقلدین ہی کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

امین اللہ پشاوری کے بھائی ابو زہیر سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"خواب سے شریعت میں حکم ثابت نہیں ہوتا۔"

(تفسیر حکمۃ القرآن، ج 1، ص 4)

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں:

"خواب کشف کے مثل حجت نہیں ہوتا۔"

(مجموعہ رسائل، ج 3، ص 53)

غلام مصطفیٰ ظہیر صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ امتی کا خواب حجتِ شرعی نہیں ہوتا۔"

یہی نہیں بلکہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے! جب مولوی خان بادشاہ مماتی نے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ پر یہی اعتراض کیا تو اس کا جواب خود غیر مقلد عالم، مولوی اسحاق گبرالی نے دیا۔

مولوی اسحاق صاحب نے شیخ زکریا رحمہ اللہ کا دفاع کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا:

"یہ مذکورہ قصص میں زیادہ تر خواب کے واقعات ہیں، اور خواب نہ شرعی حجت ہے اور نہ عقیدہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شیخ زکریا رحمہ اللہ ان قصص کے ذکر کرنے کے بعد خود فضائلِ حج صفحہ 181 پر لکھتے ہیں:

'تنبیہ: گزشتہ واقعات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب وغیرہ میں زیارت کے متعدد قصے گزرے۔۔۔'

معلوم ہوا کہ شیخ زکریاؒ ان قصص کو خواب ہی کے قصص تسلیم کرتے ہیں۔"

(اھداء المذکر الی المتعصب المتکبر، ص 17)

پس ثابت ہوا کہ خود غیر مقلدین بھی اقرار کرتے ہیں کہ یہ محض خواب کا واقعہ ہے، اور خواب حجت نہیں۔ جب حجت نہیں تو اس سے نہ استحباب ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی اسے کفر و شرک کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے (!!!)

اور فرقہ اشاعتیہ بھی کہتے ہیں کہ

"خواب بالاتفاق حجت شرعیہ نہیں ہے"

(موت کا پیغام غالی مولیوں کے نام صفحہ 437 و 24)

پس اگر خواب ہی کو معیار مانا جائے تو نہ صرف ان کے اپنے اکابر کی کتابیں سوالیہ نشان بن جائیں گی بلکہ ہزاروں ایسے واقعات ہیں جنہیں وہ خود تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن جب اہلِ حق کی کتاب میں کوئی واقعہ آئے تو فوراً کفر و شرک کے فتوے برسنے لگتے ہیں؟!

ثالثاً: حضرت شیخؒ نے اس واقعہ کو نقل کرکے آخر میں بطور حوالہ "وفاء" درج بھی کیا ہے، یعنی میں نے یہ حوالہ "وفاء الوفا بأخبار دار المصطفى ﷺ" سے نقل کیا ہے۔

جب حضرت شیخؒ نے یہ واقعہ صرف نقل کیا ہے تو خود اہلِ باطل کے اصول کی روشنی میں بھی "منقول عنہ" کو چھوڑ کر محض ناقل پر کفر و شرک کے فتوے لگانا کہاں کا انصاف ہے؟

جب کہ غیر مقلدین کا یہ نظریہ بھی ہے کہ ناقل پر صرف تصحیحِ نقل کی ذمہ داری ہوتی ہے چنانچہ حافظ محمد گوندلوی صاحب علامہ ذہبیؒ کے دفاع میں ایک منکر حدیث کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"ناقل کا کوئی قصور نہیں ہے"

(دوام حدیث حصہ دوم ص184)

(مزید غیر مقلدین کے گھر کا حوالہ جات ہماری دوسری کتاب "توضیحات عبارات اکابر" کا مطالعہ کریں)

اور اشاعت کے مشہور عالم مولوی خان بادشاہ صاحب اپنے ہم مسلک ساتھیوں کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کسی کتاب یا رسالے سے نقل کریں تو پھر اسکا حوالہ دیا کریں چاہیے اس میں غلطی ہو اس طرح کرنے سے گویا کہ آپ نے اپنے کندھوں سے بوجھ اٹھا کر اُس (منقول عنہ، ناقل) پر ڈال دیا ہے"

(ماہنامہ التوحید والسنۃ ج3 شمارہ 9 ص20)

مزید حوالہ جات کے لیے ہماری کتاب (التحقیق القوی صفحہ 71) دیکھیے۔ تو مخالفین کے اس اصول کے مطابق بھی حضرت شیخؒ اس الزام و اتہام سے بری الذمہ ہو گئے ہیں الحمد للہ۔

رابعاً: اگر واقعی طور پر اس واقعے سے کفر، شرک یا قبر پرستی وغیرہ کا الزام درست ہو سکتا ہے تو یہ الزام صرف حضرت شیخ ذکریاؒ پر ہی نہیں رُکے گا، کیونکہ یہ واقعہ تو حضرت شیخ صاحبؒ نے اپنی طرف سے نہیں گھڑا۔ بلکہ متعدد محدثین و سلف صالحین رحمہم اللہ سے انہوں نے نقل فرمایا ہے۔ پھر لازم ہو گا کہ ان سب پر بھی کفر و شرک کے فتوے لگائے جائیں (العیاذ باللہ)۔

سلف صالحینؒ سے ثبوت

اب ذرا ملاحظہ فرمائیے! جن جن محدثین، فقہاء اور اکابر سلفؒ نے یہ واقعات اپنی کتب میں ذکر کیے ہیں، ان کے چند معتبر حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

1 = سب سے پہلا حوالہ باسندِ صحیح ملاحظہ فرمائیں:

امام ابو بکر محمد بن اَبی اِسحاق بن اِسحاق بن ابراھیم بن یعقوب الکلاباذی البخاری الحنفیؒ (المتوفیّٰ: 380ھ) نے یہ واقعہ باسند نقل کرتے ہوئے رُقمطراز ہیں:

"قال: سمعتُ منصورَ بنَ عبدِ الله، قال: سمعتُ أبا عبدِ الله بنَ الجلاّءِ يقول:

دخلتُ مدينةَ رسولِ الله ﷺ، وبى شيءٌ من الفاقة، فتقدّمتُ إلى القبر، وسلّمتُ على النبي ﷺ، وعلى ضجيعيه أبي بكرٍ وعمرَ رضي الله عنهما، ثم قلتُ: يا رسولَ الله، بي فاقةٌ، وأنا ضيفُكَ الليلة.

ثم تنحّيتُ ونمتُ بين القبر والمنبر، فإذا أنا بالنبي ﷺ قد جاءني، ودفع إليّ رغيفًا، فأكلتُ نصفَه، فانتبهتُ فإذا في يدي نصفُ الرغيف"

(التعرف لمذهب أهل التصوف صفحہ 54 بیروت)

ترجمہ: ابو عبد اللہ بن الجلاء کہتے ہیں:

میں مدینہ ءرسول ﷺ میں داخل ہوا، اور مجھ پر کچھ فاقہ کی حالت طاری ہوئی۔ میں قبرِ مبارک کے قریب حاضر ہوا اور نبی کریم ﷺ، اور آپ کے دونوں رفقاء ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سلام عرض کیا۔ پھر میں نے کہا:

"یا رسول اللہ! مجھے فاقہ ہے اور آج کی رات میں آپ کا مہمان ہوں۔"

پھر میں ہٹ کر منبر اور قبر کے درمیان سو گیا۔ خواب میں نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور مجھے ایک روٹی عطا فرمائی۔ میں نے اس کا آدھا حصہ کھا لیا، جب میں بیدار ہوا تو میرے ہاتھ میں آدھی روٹی موجود تھی۔

فائدہ: ہم نے سند پر تحقیق کی ہے بالکل صحیح السند ہے فللہ الحمد والمنہ۔ چونکہ یہاں نقل کرنا خوف طوالت

کی وجہ سے مناسب نہیں ورنہ یہاں تفصیلا ذکر کرتا۔ہاں اگر موقعہ پایا اور کچھ لینے دینے کی بات آئی تو میدان پھر سجائینگے ان شاء اللہ العزیز۔

2= ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن عبد القادر شمس الدین الرازی الحنفیؒ (المتوفیٰ:666ھ) نے بھی یہی واقعہ مذکورہ مفہوم کے ساتھ درج کیا ہے (دیکھیے: حدائق الحقائق ص177)

3= الشیخ ابو محمد عفیف الدین عبد اللہ بن عبد الملک المرجانیؒ (المتوفیٰ:770ھ) نے بھی اپنی کتاب میں یہ واقعہ (بقول اھل باطل، یہ عقیدہ) درج کیا ہے (دیکھیے: بهجة النفوس والأسرار صفحہ395)

4= الشیخ عبد القادر بن محمد بن عبد القادر الجزیریؒ (المتوفیٰ:976ھ) نے اپنے مخطوطہ میں بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے (دیکھیے: درر الفرائد المنظمه من أخبار الحاج وطريق مخة المعظمة ص265)

5= حافظ ابن حجر الهیتمیؒ (المتوفیٰ:974ھ) نے "تحفۃ الزّوّار إلی قبر النبی المختار صفحہ 117" پر نقل کیا ہے۔

6= حسین بن نصر ابن خمیسؒ (المتوفیٰ:552ھ) نے "مناقب الأبرار و محاسن الأخيار صفحہ 411" میں نقل کیا ہے۔

7= امام ابن جوزیؒ (المتوفیٰ:597ھ) نے بھی "مرآۃ الزمان ج16 ص460" پر نقل کیا ہے۔

8= قاضی مكة المكرمة الإمام أبوالبقاء محمدبن أحمد بن محمد بن ضياء المكی الحنفیؒ (المتوفی:854ھ) نے "البحرالعميق فی مناسک المعتمر والحاج" کے صفحہ نمبر 264 پر نقل کیا ہے۔

9=امام ابن فضل الله العمری شهاب الدين احمد بن يحيیؒ (المتوفی:749ھ) نے "مسالک الأبصار فی ممالک الأمصار ج8 ص311" پر نقل کیا ہے۔

10= عبد الرؤف مناویؒ (المتوفیٰ: 1031ھ) نے "الكواكب الدرية فی تراجم السادة الصوفية (الطبقات الکبریٰ) ج2 ص37" پر نقل کیا ہے۔

11 = علامہ۔ مجد الدین محمد بن الأثیر الجزیریؒ (المتوفی: 606ھ) نے "المختار من مناقب الأخيار ج1 ص236" میں درج کیا ہے۔

12= شیخ الاسلام زکریا محمد بن الأنصاریؒ (المتوفی:926ھ) نے "نتائج الأفکار القدسیه فی بیان معانی شرح الرسالة القشیریہ ج3 ص336" پر بھی رقم کی ہے۔

13= امام قشیریؒ (المتوفی:465ھ) نے "القشیریہ صفحہ 349" میں یہ حوالہ قلمبند کیا ہے۔

14= الامام الحافظ ابوسعد عبدالملک بن ابی عثمان الخرکوشی النیسابوریؒ (المتوفّٰی:406ھ) نے اپنی کتاب "شرف المصطفیٰ ﷺ ج3 ص235" میں یہ واقعہ نقل۔ کیا ہے۔

15= علامہ سیوطیؒ (المتوفی:911ھ) نے "**کتاب المحاضرات والمحاورات** ج1 ص427" پر بھی نقل کیا ہے۔

16= علامہ شعرانیؒ (المتوفّٰی:973ھ) نے بھی "الطبقات الکبریٰ ج1 ص109" پر نقل کیا ہے۔

17= ابن عساکرؒ (المتوفّٰی:571ھ) نے "تاریخ مدینہ دمشق ج66 ص161" پر نقل کیا ہے۔

18= امام علی بن احمد سَمْہُودیؒ (متوفی 911ھ) نے یہ واقعہ صراحت کے ساتھ اپنی مشہور کتاب الوفاء بأحوال المصطفیٰ ﷺ میں نقل کیا ہے۔

19= یہی واقعہ امام سَمْہُودیؒ کی دوسری کتاب "وفاء الوفاء بأخبار دارالمصطفی ﷺ ج4 ص1371 طبع دارالکتب العلمية" میں بھی ملتا ہے، جو مدینہ منورہ اور آثارِ نبویہ پر ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔

20: علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانیؒ (متوفی 1350ھ) نے بھی یہ واقعہ "حجة الله علی العالمین في معجزات سید المرسلین" میں بیان کیا ہے۔

اگر اس طرح حوالہ جات ذکر کرتا چلوں تو بات کافی لمبی ہوتی چلے جائیگی اور شیخ زکریاؒ کی علمیت کا لوہا مزید چمکتا ہوا نظر آئے گا یہ صرف چند مثالیں ہیں، ورنہ اگر تمام کتبِ تاریخ، مناقب، اور تصوف سے جمع کیا جائے اور استیعاب کیا جائے تو اس نوع کے بیسیوں نہیں سینکڑوں واقعات ملتے ہیں۔ لیکن منصف کے لئے ایک حوالہ بھی کافی وشافی ہے اور متعصب ومتکبر باطل پرست کیلئے یہ بیس حوالہ جات بھی کافی نہیں۔

عرض یہ ہے کہ اہل باطل میں اگر ہمت ہے تو ان اسلاف (رحمہم اللہ) پر بھی کفر شرک اور قبر پرستی وغیرہ کے فاسد الزامات لگائیں۔ ورنہ قومِ شعیب علیہ السلام کی جس راستے پر (بے انصافی) گامزن ھو اس سے توبہ تائب ہو جائیں۔

لہٰذا ہمارا پیغام واضح ہے کہ یہ واقعات نہ عقیدہ بناتے ہیں اور نہ عبادت، بلکہ یہ محض کرامات و تائیدی حکایات ہیں۔ جو شخص ان کو بنیاد بنا کر تکفیر کے فتوے لگاتا ہے وہ دراصل اپنی ہی جہالت اور تعصب کا پردہ فاش کرتا ہے۔"

خامسا: یہ واقعہ شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ نے جب نقل کیا تو اس پر فرقہ مماتیہ وغیرہ کی طرح گندہ ذہنیت کے عکاسی تبصرہ نہ کیا بلکہ یوں بہترین تبصرہ کیا کہ:

"فی ذالک دلالة علی صدقه فی حاجته وعلی أن الله أکرمه بهذه الکرامة لشرف نبینا ﷺ"

اس واقعہ میں اس (ابن جلاّدؒ) کی حاجت کی سچی ہونے کی دلیل موجود ہے۔ اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کے شرف و مرتبہ کی وجہ سے ان کی کرامت کے ذریعے مہمان نوازی کی۔

قارئین کرام! ابھی آپ حضرات خود سوچ لیں کہ اسلافؒ کی اخذ کردہ نتیجہ عمدہ ہے یا انگریز کے دور کے بعد فرقہ غیر مقلدین و فرقہ اشاعیہ وبریلویہ کا اخذ کردہ نتیجہ عمدہ و قابل لائق ہے؟؟

بے انصافی کی بھی حد ہوتی ہے کہ اہل حق کے خلاف یہ تینوں فرقے آپس میں فکری طور متحد ہیں اور یوں اہل حق کی بے جا مخالفت کرتے نظر آرہے ہیں هداهم الله وایانا۔

سادسا: اس میں تو کوئی غیر اللہ سے مدد مانگنے کی بات ہی نہیں یہاں تو صرف یہ کہا گیا ہے کہ کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کا مہمان ہوں تو اس میں کیا قباحت و مضائقہ ہے چہ جائیکہ استمداد من غیر اللہ کی بات ہو۔۔؟؟؟ سبحان اللہ۔

سابعا: خطیب بغدادیؒ (المتوفیٰ: 463ھ) کے متعلّق کیا خیال ہے جو انہوں نے ابو علی الخلالؒ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"ماهَمَّنِي أَمْرٌ فَقَصَدْتُ قَبْرَ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ فَتَوَسَّلْتُ بِهِ فَسَهَّلَ اللّٰهُ تَعَالَى لِي مَا أُحِبُّ

(تاریخ بغداد ج1 ص442)

ترجمہ: "جب بھی مجھے کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو میں حضرت موسیٰ بن جعفرؒ کی قبر کی

طرف قصد کرتا اور ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسل کرتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے وہ سب آسان فرمادیا جسے میں پسند کرتا تھا۔"

حافظ ابن حجرؒ (المتوفیٰ:852ھ) ابو علی النیشاپوریؒ (المتوفیٰ:349) کے حوالے سے سنداً نقل کرتے ہیں:

"وَقَالَ الْحَاكِمُ: سَمِعْتُ أَبَا عَلِيٍّ النَّيْسَابُورِيَّ يَقُولُ: كُنْتُ فِي غَمٍّ شَدِيدٍ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ، كَأَنَّهُ يَقُولُ لِي: سِرْ إِلَى قَبْرِ يَحْيَى بْنِ يَحْيَى وَاسْتَغْفِرْ وَسَلْ، تُقْضَ حَاجَتُكَ. فَأَصْبَحْتُ فَفَعَلْتُ ذَلِكَ، فَقُضِيَتْ حَاجَتِي"(تهذيب التهذيب ج7ص617 ترجمه: يحيى بن يحيى رقم الترجمة 8893، ناشر:۔المكتبة المعروفيه كوئٹه پاكستان)

ترجمہ: حاکم (نیشاپوریؒ) فرماتے ہیں: میں نے ابا علی نیشاپوری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "میں سخت غم و پریشانی میں مبتلا تھا، تو میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا گویا آپ مجھے فرمارہے ہیں: 'یحییٰ بن یحییٰ (المتوفیٰ:226ھ) کی قبر کی طرف جاؤ، استغفار کرو اور دعا مانگو، تمہاری حاجت پوری کردی جائے گی۔'

پھر جب میں صبح اٹھا تو میں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ میری حاجت پوری ہوگئی۔"

کیا یہاں تو غیر مقلدین اور ان کے چھوٹے بھائی مماتیوں کو تو قبر پرستی نظر نہیں آتی؟

ثامنا ۔۔۔ قَالَ الحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ عَسقلانی ۔۔۔ كَانَ ابْنُ الْمُقْرِئُ يَقُولُ: كُنْتُ أَنَا وَالطَّبَرَانِيُّ وَأَبُو الشَّيْخِ بِالْمَدِينَةِ، فَضَاقَ بِنَا الوَقْتُ، فَوَاصَلْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ فَلَمَّا كَانَ وَقْتُ الْعِشَاءِ حَضَرْتُ الْقَبْرَ، وَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، الْجُوعُ. فَقَالَ لِلطَّبَرَانِيِّ: اجْلِسْ، فَإِمَّا أَنْ يَكُونَ الرِّزْقُ أَوِ الْمَوْتُ. فَقُمْتُ أَنَا وَأَبُو الشَّيْخِ: فحضرالبابَ عَلَوِیٌّ. فَفَتَحْنَا لَهُ، فَإِذَا مَعَهُ غُلَامَانِعجيب بِقُفَّتَيْنِ فِيهِمَا شَيْءٌ كَثِيرٌ. وقَالَ: شَكَوْتُمُونِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ رَأَيْتُهُ فِي النَّوْمِ فَأَمَرَنِي بِحَمْلِ شَيْءٍ إِلَيْكُمْ.

(سیر أعلام النبلاء ج 11 ص 469 و 470 تحت الترجمہ ابن المقرئ رقم الترجمہ 649

طبع: المکتبۃ الوحیدیہ پشاور پاکستان)

ترجمہ: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ روایت کرتے ہیں کہ ابن المقرئؒ کہا کرتے تھے:

"میں، امام طبرانیؒ اور ابو الشیخؒ مدینہ منورہ میں تھے۔ ایک دن ہم پر سخت تنگی اور فاقہ ہو گیا، اور ہمارے پاس کچھ نہ تھا۔ جب شام کا وقت آیا تو ہم روضۂ اطہر پر حاضر ہوئے۔ میں نے عرض کیا: 'یا رسول اللہ! بھوک! (لگی ہے)

تو طبرانیؒ نے کہا: بیٹھ جاؤ، اب یا تو رزق ملے گا یا موت آئے گی۔ ہم نے کہا: جی ہاں۔

اسی اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ہم نے دروازہ کھولا تو ایک علوی شخصیت کو پایا، ان کے ساتھ دو غلام تھے جن کے پاس دو ٹوکریاں تھیں جن میں بہت سا سامان تھا۔ انہوں نے کہا: کیا تم نے نبی کریم ﷺ کے سامنے میری شکایت کی ہے؟ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے لیے کچھ لے آؤں۔"

اب یہی فتوی جو شیخ زکریاؒ پر لگایا تھا وہی فتوی حافظ ابن حجرؒ اور ان منقول عنہم پر بھی لگانے کی جرأت کر سکوگے۔۔؟؟

ہرگز نہیں ہمیں آپ لوگوں کی علمی غیرت اور علماء دیوبندؒ سے دشمنی بھی خوب معلوم ہے ھداکم اللہ۔

الزامی حوالہ جات

اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہی واقعہ (لیکن کچھ گڈ مڈ تعبیر کے ساتھ) مماتیوں کے شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحبؒ نے بھی نقل کیا ہے (دیکھیے: خطبات شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر صفحہ 222 و 223، مرتب ابو خالد محمد کفایت اللہ منیب صاحب باجوڑ طبع اول، ناشر: جامعہ دار العلوم تعلیم القرآن باجوڑ)

قبر پرست کون؟

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ قبر پرستی اور استمداد کے قائل ہونے کا جو فتویٰ غیر مقلدین اور فرقہ مماتیہ نے علماءِ دیوبندؒ پر تھوپا ہے، حقیقت میں قبر پرست اور استمداد کے قائل کون ہیں؟"

دراصل خود یہی حضرات ہیں حقائق ملاحظہ کیجئے:

1 = غیر مقلدین نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

"صوفی حبیب الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ 1910ء میں جب حضرت ضیاء معصوم صاحب، مرشدِ امیر حبیب اللہ خان شاہ کابل پٹیالہ تشریف لائے، تو انہوں نے سرہند جانے کے لیے قاضی (منصور پوری غیر مقلد، ناقل) کو اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت ضیاء معصوم صاحب جب روضہ حضرت مجدد الف ثانیؒ پر مراقبہ کے لیے بیٹھے تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو، ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔ ابھی آپ اپنے جی میں یہ خیال لے کر اُٹھے ہی تھے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا: کہ سلیمان! بیٹھے رہو، ہم کوئی بات تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے۔'

صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں بلکہ بیداری کا ہے"

(کراماتِ اہلحدیث صفحہ 22، مطبع مکتبہ دین و دنیا فیصل آباد)

نوٹ : یاد رہے نئی ایڈیشن میں یہ حوالہ خاموشی سے بغیر اعلان کے ھباء منثورا ہو چکا ہے جو غیر مقلدین اور مماتیوں کی میراثی عادت ہے۔

اب ذرا یہ بتایئے! مجدد الف ثانیؒ قاضی صاحب کے دل میں چھپی بات سے کس طرح باخبر ہو گئے؟ کیا قاضی صاحب نے زبان سے کچھ کہا تھا یا صرف دل ہی میں خیال کیا تھا؟ پھر یہ بھی بتایئے کہ مجددؒ نے قاضی کا ہاتھ کس طرح پکڑ لیا؟ کیا صرف ہاتھ قبر سے باہر آیا تھا یا پورا جسم ہی قبر سے نکل آیا تھا؟ یہ کون سا مراقبہ ہے جو بیداری میں واقع ہوا؟ اور جب خود قاضی منصور پوری غیر مقلد نے تسلیم کیا کہ یہ مکاشفہ یا مراقبہ نہیں بلکہ بیداری کا واقعہ ہے تو پھر یہ کھلا ہوا تصرفِ اموات ہوا یا نہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ یہ تصرفاتِ اولیاء اور اہلِ قبور سے فیوضات کب سے غیر مقلدین کی شریعت میں جائز ہو گئے؟ جو دوسروں پر شرک و بدعت کے فتوے برسایا کرتے ہیں، اپنے اکابر کی کرامات کو کس خانہ میں رکھیں گے؟!

دوسرا حوالہ:

غیر مقلدین ہی کی ایک اور کتاب میں اس طرح مفہوم کا واقعہ مذکور ہے کہ:

"آپ کو مراقبہ و مشاہدہ میں بھی کمال (حاصل) تھا۔ میں نے بارہا جناب والد ماجدم رحمہ اللہ کو دیکھا کہ جنابِ حضرت والدہ ماجدہ مرحومہ و مغفورہ کو مراقبہ میں بٹھاتے، اور جب آپ کو زیارتِ رسول صلعم (صلی اللہ علیہ وسلم، ناقل) یا اور کسی ولی و بزرگ کی ہوتی تو اس وقت حل مشکلات بعض مطالب قرآن وحدیث کا فرماتے"

(تذکرہ اہل صادق پور، صفحہ 200)

سبحان اللہ! اپنی بیوی کو بھی زندہ کر کے مراقبے میں بٹھا دیتے، اس کے ساتھ بیٹھ کر گپ وشپ یعنی گفتگو بھی کرتے، اور ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اولیاء و بزرگوں سے ملاقاتیں کر کے قرآن وحدیث کے مطالب حل کروالیتے۔ سبحان تیری قدرت! اب بتلایا جائے کہ یہ سب کچھ غیر مقلدین کے ذھن میں قبر پرستی اور استمداد نہیں تو پھر آخر ہے کیا؟"

مماتیوں کے گھر سے

اب الزامی چند حوالہ جات مماتیوں کے گھر سے بھی ملاحظہ فرمائیں:

مماتیوں کا یہ نظریہ ہے کہ اموات کبھی کبھی تصرف کرتے ہیں جیسا کہ نیلوی صاحب معرض استدلال میں رقمطراز ہیں:

"کاملین کی رُوحوں کا عالَمِ عنصری میں کبھی تصرّف بھی نمایاں ہو جاتا ہے"

(ندائے حق، ج1، ص176)

خان بادشاہ صاحب کے مدوحین اب بتائے کہ خرافات یہ ہے یا کہ شیخ زکریاؒ کی نقل کردہ بات۔۔۔؟

شیخ غلام اللہ خانؒ لکھتے ہیں:

"جس طرح حیاتِ دنیا میں ارواح ابدانِ عنصریہ کے ذریعے سے متحرک ہوتی ہے اور تمام اعمال اور تصرفات بجالاتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام اور بعض کاملین کی ارواح وفات کے بعد عالم برزخ میں مثالی اور برزخی اجسام کے ذریعے سے حرکت کرتی ہے اور نماز تلاوت

قرآن حج اور کئی دوسرے اعمال بجالاتی ہے"

(جواہر القرآن ج1 ص194)

مماتیوں کے معتمد اور ان کے ہاں معروف شخصیت شیخ القرآن مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے متعلق ذکر ہے خود فرماتے ہیں:

"وَقَعَدتُ عِندَ مَزارِ الإِمَامِ الرَّبَّانِيِّ، فَقَالَ لِي فِي المُكَاشَفَةِ: بَيَانُ مَسأَلَةِ التَّوحِيدِ عَلَى دَرَجَتِهِ عَنِ السُّلُوكِ"

(تفسیر بلغة الحیران ج1 ص8 ناشر: خود شیخ حسین علیؒ نے میانوالی سے شایع کی، یعنی میرے پاس قدیم نسخہ ہے الحمد للہ)

اس کا ترجمہ مفسر قرآن مولانا صوفی عبد الحمیدؒ یوں کرتے ہیں:

"مکاشفہ: جب میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مزار کے پاس بیٹھا ھوا تھا مکاشفہ کی حالت میں امام ربانیؒ نے مجھ سے فرمایا کہ توحید کا مسئلہ بیان کرنا سلوک میں سب سے اعلی درجہ ہے"

(فیوضات حسینی ص17)

اور یہی حوالہ نیلوی صاحب نے بھی لکھی ہے لکھتے ہیں:

"میں امام ربانی مجدد الف ثانی کے مزار پر بیٹھا ہوا تھا مکاشفہ کی حالت میں امام ربانی نے مجھ سے فرمایا کہ توحید کا مسئلہ بیان کرنا سلوک میں سب سے اعلی درجہ ہے"

(ناشر القرآن یعنی سوانح مولانا حسین علیؒ صفحہ 53 ناشر: سرگودھا طبع اول)

عرض ہے کہ یہاں مماتیوں کو قبر پرستی اور استمداد کا مسئلہ یاد نہیں ھوتا۔۔۔؟؟ کیا وجہ ہے؟

اختتامی کلمات

آخر اس مضمون کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اہلِ باطل کا الزام

اہلِ باطل نے اس واقعہ کو بنیاد بنا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ دیوبندی علماء عقائد میں شرک کے قائل

ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ محض ایک خواب کا واقعہ ہے جسے بطور حکایت ذکر کیا گیا، نہ کہ عقیدہ یا شرعی دلیل کے طور پر۔ فلھذا یہ اھل باطل کا محض الزام تراشی ہے۔

۲۔ حقیقتِ حال

شیخ زکریاؒ نے یہ واقعہ اپنی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ بطور حوالہ "وفاء الوفاء" سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا ناقل کو الزام دینا علمی دیانت کے خلاف ہے۔

۳۔ اہلِ باطل کا تضاد

یہی لوگ خواب کو شرعی حجت نہیں مانتے، لیکن جب اہلِ حق کوئی حکایت نقل کریں تو اسی کو شرک و کفر کا شور بنا دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اپنے اکابر نے بھی اسی نوع کے خواب اور حکایات نقل کیے ہیں۔

۴۔ اہلِ حق کا موقف

یہ حکایات عقیدہ بنانے کے لیے نہیں بلکہ صدقِ حاجت اور کرامت کے بیان کے لیے ذکر کی جاتی ہیں۔ ان پر عقائد کی بنیاد رکھنا اہلِ حق کا طریقہ نہیں رہا۔

۵۔ حجت اہلِ حق پر

اگر یہ واقعہ شرک ہے تو پھر وہ تمام محدثین و اکابر بھی اس حکم کے تحت آئیں گے جنہوں نے اسی واقعہ کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے جس سے ھم نے بیس حوالہ جات تو نقل کیے ہیں، کیا اہلِ باطل اپنے اصول پر ان سب کی بھی تکفیر کریں گے؟

٦۔ خلاصہ

اصل حقیقت یہ ہے کہ:

یہ واقعات عقیدہ نہیں بلکہ تبرک و حکایت کے طور پر ذکر ہوتے ہیں۔

ناقل پر الزام لگانا ظلم اور جہالت ہے۔

اہلِ باطل کا معیار دوہرا ہے؛ اپنے لیے جواز اور دوسروں کے لیے تکفیر۔

یہ واقعہ اہلِ ایمان کے لیے نبی کریم ﷺ کی عظمت، اللہ کی قدرت اور صدقِ حاجت کی دلیل ہے۔ اس سے شرک یا کفر کا کوئی پہلو نکلنا ممکن نہیں۔

===

اہلِ حق پر فتوے لگانے والے دراصل اپنی جہالت اور تعصب کے قیدی ہیں۔

جیساکہ شاعر نے کہاہے:

"عیبِ مومن تلاش کرنا تو آسان ہے

مگر اپنی خطاؤں پہ نظر ڈالنا مشکل ہے"

مزید عبارتِ اکابر کا بھی چھان پڑتال جاری رہے گا ان شاء اللہ منتظر رہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

ضروری اعلان

مجلّہ راہِ ہدایت دسمبر ۲۰۲۵ء کا شمارہ ان شاء اللہ مسئلہ تقلید پر خصوصی نمبر کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ علماء کرام سے درخواست ہے کہ مسئلہ تقلید پر اپنے گراں قدر مضامین اشاعت کے لئے ہمیں ارسال فرمائیں۔

عنوانات

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، تقلید کا ثبوت آیات قرآنیہ سے، تقلید کا ثبوت احادیث مبارکہ سے، تقلید کا ثبوت اجماع امت سے، تقلید کا ثبوت اقوال صحابہ سے، تقلید کا ثبوت علماء کرام سے، تقلید کا ثبوت غیر مقلدین سے، تقلید پر اعتراضات کے جوابات، ترکِ تقلید کے نقصانات، مشہور محدثین کا فقہی مذہب، مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا، مولانا وحید الزمان صاحب غیر مقلد تھا، وغیرہ

مضامین بھیجنے کا طریقہ کار

اپنے مضامین ان پیج فائل، ورڈ فائل یا ٹیکسٹ پیغام کی صورت میں درج ذیل نمبر پر ارسال فرمائیں۔

03428970409

محترم ابو سعد لئیق رحمانی صاحب حفظہ اللہ

کھلا خط

بنام: مفتی عامر عثمانی صاحب مد ظلہ، مالیگاؤں

مفتی عامر عثمانی صاحب دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ بخیر وعافیت سے ہونگے۔

فسقِ یزید عقیدے کا مسئلہ ہے یا نہیں؟ اس بابت آپ کا ایک فتوی ہماری نظر سے گزرا۔ جسے پڑھ کر ہم منتسبین علماء دیوبند کو بڑا افسوس ہوا۔ کیونکہ یہ فتویٰ اہل سنت والجماعت بالخصوص اکابر علماء دیوبند کے مسلک کے بالکل خلاف ہے۔

آپ نے فتوے کے شروع میں فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے جو حوالے درج کیے ہیں، ہم اسے آنکھ بند کر کے تسلیم کرتے ہیں اور اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ کے حوالے میں ہے:

> "یزید کے کفر و اسلام سے بحث کرنا نہ تو اعتقادی مسئلہ ہے کہ بغیر اس کے ایمان ہی معتبر نہ ہو،۔۔۔ الخ"۔

یہ بالکل صحیح ہے۔ ہم بھی یزید کے کفر و اسلام پر بحث نہیں کرتے، نہ اسے کافر ماننا اعتقادیات میں سے مانتے ہیں، کیونکہ کفرِ یزید میں علماء اہل سنت کا اختلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر کفر یزید اعتقادی مسئلہ ہوتا تو اس میں علماء کا اختلاف نہ ہوتا اتفاق ہوتا۔

مگر فسقِ یزید اعتقادی مسئلہ ہے اور اجماعی و اتفاقی بھی۔ جیسا کہ ہمارے اکابر کی تشریحات آگے آرہی ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کا جو حوالہ آپ نے نقل کیا کہ:

> ہر شخص کو اپنے ایمان اور عمل صالح کی فکر کرنی چاہئے۔ یزید کے صالح یا فاسق ہونے کی تحقیق شرعاً کچھ ضروری نہیں۔۔۔ الخ"۔

یہ بھی بالکل صحیح ہے۔ ہر شخص کو یزید کے صالح یا فاسق ہونے کی تحقیق میں پڑنا شرعاً ضروری نہیں۔ لیکن یزید کے متعلق عقیدہ کیا رکھنا چاہئے؟ اس کے متعلق خود حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے ہی بتایا کہ:

"یزید کے بارے میں یہ عقیدہ کافی ہے کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ غلط تھا، لیکن اس پر لعنت بھیجنا اہل سنت کا عقیدہ نہیں"۔

(فتاویٰ عثمانی: ج1 ص308)

تو حضرت شیخ الاسلام کے دونوں فتاوی کو سامنے رکھ کر ہماری ناقص سمجھ کے مطابق جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ یزید کے صالح یا فاسق ہونے کی تحقیق میں پڑنا شرعاً ضروری نہیں مگر عقیدہ یہ رکھنا چاہئے کہ یزید فاسق تھا۔۔۔یہی ہم بھی کہہ رہے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یزید کی غلط کاریوں پر تنقیدی کرے یا اس کی برائیاں بیان کرے تو اس پر غلو اور بے اعتدال ہونے کا فتوی لگانا بھی درست نہیں، غلط ہے۔ کیونکہ حضرت مولانا مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

"یزید کی غلط کاریوں پر تنقید کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔"

(کتاب النوازل ج1 ص560)

جب شرعاً حرج نہیں تو فرداً شخصاً بھی کسی کو حرج نہیں ہونا چاہئے۔

فتوے سے اختلاف

آپ نے دار العلوم دیوبند کا ایک فتوی نقل کر کے جو کچھ لکھا ہے وہ اکابر اہل السنّہ بالخصوص اکابرین دیوبند کے مسلک کے خلاف ہے، لہذا ہمیں اس سے اختلاف ہے۔

آپ نے اپنے فتوے میں لکھا ہے:

"کسی نے بھی اس کو صراحتاً عقیدہ نہیں لکھا ہے، اس لیے کہ یہ تاریخی مسئلہ ہے، اور مسئلہ ہذا میں تاریخ میں سخت اضطراب ہے۔ لہذا کوئی یزید کو فاسق مانے تو ہم اس کی تردید نہیں کرتے، کوئی غیر فاسق مانے تو ہم اس کی تائید یا حوصلہ افزائی بھی نہیں کرتے۔ یزید کو کوئی فاسق مانے یا صالح، یہ اس کی اپنی تحقیق ہے اس سے اس کے ایمان اور عقیدہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ یہ عقیدہ کا مسئلہ قطعاً نہیں ہے۔"

یہاں آپ نے پورا زور لگا کر اس مسئلے کو تاریخی اور اختلافی بتایا ہے۔ جبکہ ہمارے اکابر نے اس مسئلے کو تاریخی یا اختلافی نہیں بلکہ اعتقادی، اتفاقی اجماعی لکھا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

فسقِ یزید؛ معتقدات اہلسنت میں سے ہے

تفسیق یزید کو محض تاریخی مسئلہ بتانا کتب عقائد و کلام سے ناواقفی کی دلیل ہے۔ اہلسنت کے یہاں یہ مسئلہ کئی اعتبار سے نظریاتی و کلامی حیثیت کا حامل ہے، فسق یزید کا تعلق براہ راست عظمت صحابہ و دفاع صحابہ سے ہے، یزید کو فاسق و نا اہل مانے بغیر حضرت حسین، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور صحابۂ مدینہ منورہ کا دفاع نہیں کیا جاسکتا، یزید کو عادل و اہل ماننے کی صورت میں اس کے خلاف خروج کرنے والے صحابہ کو لا محالہ خطاکار و باغی ماننا پڑے گا؛ اور ایک غیر صحابی کی وجہ سے متعدد صحابہ کی ذات مجروح ہو، اس سے بہتر ہے کہ اس غیر صحابی کو ہی مجرم مان لیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ بیشمار علماء اہلسنت نے یزید سے متعلق بحث کو عقائد کے باب میں جگہ دی ہے، ہم بطور نمونہ چند علماء کے حوالے پیش کر دیتے ہیں جنھوں نے فسق یزید کی بحث کو کتب عقائد یا ابواب عقائد میں ذکر کیا ہے۔

(1) امام ابو بکر الخلال المتوفی ۳۱۱ھ نے اہل السنۃ والجماعہ کے اصول و اعتقادات پر مشتمل اپنی مشہور کتاب "السنہ" میں امام احمد بن حنبل کے حوالے سے یزید کا ظلم وعدوان نقل کیا ہے۔ خیال رہے کہ ابو بکر خلال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال کی روشنی میں اہلسنت کے اصول و معتقدات بیان کئے ہیں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ اصل میں یہ کتاب خود امام احمد کی تصنیف ''کتاب الایمان'' ہے۔

(۲) قاضی ابو یعلی الفراء الحنبلي - التوفی ۴۵۸ھ نے اپنی عقیدہ کی کتاب "المسائل العقدیہ" ص ۹۳ تا ۱۰۸ میں فسق یزید پر مفصل و مدلل بحث کی ہے۔

(۳) حافظ قوام السنہ اصبہانی۔ المتوفی ۵۳۵۔ نے عقائد کی اپنی مشہور کتاب الحجۃ في بيان المحجۃ وشرح عقيدة اهل السنۃ ج۲/ص۵۲۲'' میں یزید کے احوال پر بحث کی ہے۔

(۴) علامہ سراج الدین علی بن عثمان اوشی المتوفی ۵۷۵ھ۔ نے عقائد اہلسنت پر مشتمل اپنے مشہور و معروف منظوم کلام ''بدء الامالی'' میں یزید کو ذکر کیا ہے۔

(۵) امام محمد بن بکر الرازی الحنفی المتوفی ۲۶۰ھ۔نے عقائد اہلسنت کی شرح میں فسق یزید پر کلام کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (شرح بدء الامالی الرازی ص ۳۰۹)

(1) علامہ ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی میں یزید کی بحث "مجمل اعتقاد السلف" اور "مفصل الاعتقاد" عناوین کے تحت ذکر کی ہے۔ دیکھئے۔ فتاوی ابن تیمیہ جلد ۳ جلد ۴۔ اسی طرح ایک دوسری کتاب "شرح الوصية الكبرى للراجى ۱۴۰" میں "عقيدة اهل السنة والجماعة في يزيد بن معاوية" عنوان کے ذیل میں یزید کا تذکرہ کیا ہے۔

7- علامہ سعد الدین تفتازانی المتوفی نے عقائد اہلسنت کی شرح میں فسق یزید پر بھی گفتگو فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ شرح المقاصد ۵/ ۳۱۱ و شرح العقائد ص ۱۶۲-۱۶۳

(۸) امام ابن حجر ہیثمی مکی المتوفی ۹۷۴ھ نے اپنی کتاب "الصواعق المحرقه" ص ۵۶۹ میں "خاتمة في بيان اعتقاد اهل السنة والجماعة" کے تحت نسق یزید کی بحث ذکر کی ہے۔

(۹) ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ نے عقائد اہل السنہ کی شرح میں فسق یزید کو بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ شرح الفقہ الاکبر ۲۱۴۔

(۱۰) شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ المتوفی ۱۰۵۲ھ۔نے اپنی مشہور عقیدہ کی کتاب "تکمیل الایمان" ص ۱۷۸ میں تفصیل کے ساتھ فسق یزید پر بحث کی ہے۔ خیال رہے کہ شیخ دہلوی کی یہ کتاب اہلسنت کے عقائد کے عنوان پر ہے، جیسا کہ شیخ نے خود کتاب کے شروع میں تحریر فرمایا ہے فقیر حقیر اضعف عباد الله القوى الباري عبد الحق بن سیف الدین الترک الدہلوی البخاری معروض ہے کہ یہ کتاب مسمی بہ تکمیل ایمان و تقویۃ الایقان عقائد اسلام اور مسلک اہلسنت و جماعت کے قواعد پر مشتمل ہے (مقدمہ تکمیل ایمان مترجم ص ۱۷)

11) الشیخ المحدث علامہ عبد العزیز پر ہاروئی۔ المتوفی ۲۳۹ھ۔نے بھی تفصیل کے ساتھ عقائد کے ذیل میں فسق یزید پر بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو (النبراس ص ۵۴۰)

(۱۲) علامہ عبد الحق حقانی المتوفی نے اپنی مشہور کتاب "عقائد اسلام" ص ۲۳۲ و ۲۳۳ میں فسق یزید کو مدلل و مفصل بیان کیا ہے۔

بطور نمونہ یہ ایک درجن علماء کے حوالے نقل کئے گئے جنھوں نے عقائد و کلام کے ذیل میں فسق یزید پر

بحث کی ہے، اس کے علاوہ ایک درجن سے زیادہ حوالے ناچیز کے پاس مزید محفوظ ہیں۔

کیا ان تمام حوالہ جات کی موجودگی میں یہ دعوی کرنا درست ہے کہ عقائد، سنیت اور دین سے فسق یزید کی بحث کا کوئی تعلق نہیں؟ بلکہ حضرت شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی مدظلہ۔ جن کے نام کو بڑے اعتماد کے ساتھ پیش کیا گیاہے۔ نے بھی یزید کے معاملے کو صریح انداز میں عقیدہ قرار دیاہے، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"یزید کے بارے میں یہ عقیدہ کافی ہے کہ اس نے حضرت حسین کے ساتھ جو سلوک کیا وہ غلط تھا، لیکن اس پر لعنت بھیجنا اہل سنت کا عقیدہ نہیں۔"

(فتاوی عثمانی ۱/ ۳۰۸)

لیجئے! ہماری نہیں تو حضرت مفتی تقی صاحب مدظلہ ہی کی مان لیجئے۔ ان مذکورہ علماء کے علاوہ اگر متاخرین فقہاء واصحابِ فتاویٰ کو دیکھا جائے تو بھی بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ فسقِ یزید کی بحث کا تعلق عقائد اور کلام سے ہے، کیونکہ متعدد کتب فتاوی میں باب العقائد والکلام کے تحت ہی فسق یزید کی بحث ذکر کی گئی ہے۔

بطور نمونہ ان کتب فتاوی کے نام ملاحظہ فرمائیں جن میں "ابواب العقائد" میں فسق یزید کو ذکر کیا گیاہے۔

(۱) فتاوی عزیزی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

(۲) مجموعہ فتاوی عبد الحئ۔ علامہ عبد الحئ فرنگی محلی

(۳) فتاوی رشیدیہ۔ قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

(۴) فتاوی دار العلوم دیوبند۔ مرتب مفتی ظفیر الدین مفتاحی

(۵) عزیز الفتاوی مفتی اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمان عثانی

(۶) کفایت المفتی۔ مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی

(۷) امداد الفتاوی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

(۸) فتاوی محمودیہ۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی

(۹) فتاوی بینات – مفتی یوسف لدھیانوی شہید

(۱۰) آپ کے مسائل اور ان کا حل۔ حضرت مفتی یوسف لدھیانوی شہید۔۔۔ تلک عشرۃ کاملہ

بتایئے! اگر فسق یزید کی بحث کا دین، عقائد اور سنیت سے کوئی تعلق نہیں تو پھر یہ اکابر مفتیان کرام اس بحث کو عقائد کے باب میں کیوں شامل کر رہے ہیں؟ اور کیوں دار الافتاؤں میں اس عنوان پر لمبے چوڑے فتاوی لکھے جارہے ہیں؟ اور کیوں فقہ و فتاوی کی تقریباً تمام کتب میں اس عنوان پر تفصیلات درج ہیں؟۔

کیا متون میں تمام عقائد آگئے؟

دراصل ہمارے بعض کرم فرماؤں کو یہ دھوکہ لگاہے کہ ہر عقیدہ قطعی و یقینی ہوتا ہے اور تمام عقائد: متون (الفقه الاكبر، عقيدة الطحاويه، عقائد نسفيه۔ وغیرہ) میں لکھے ہوئے ہیں، جبکہ اگر اس معیار پر عقائد کو جانچا جائے تو علماء دیوبند کے عقائد کی متفقہ دستاویز "المہند علی المفند" تقریباً پوری باطل ٹھہرے گی۔ کیونکہ المہند میں جن باتوں کو اتفاقی طور پر عقائد میں شمار کیا گیاہے ان میں اکثر وہ ہیں جن کا نہ متون میں کوئی وجود ہے اور نہ ان کے ثبوت میں دلائل قطعیہ موجود ہیں۔

یاد رکھیں! جو عقائد قطعیات سے ثابت ہیں وہ ضروریات دین کہلاتے ہیں اور ان کا منکر کافر ہوتا ہے، اور اہلسنت کے یہاں جو عقائد ظنیات سے ثابت ہوں وہ ضروریات اہلسنت کہلاتے ہیں اور ان کا منکر اہلسنت سے خارج ہوتا ہے۔ مثلاً۔ درج ذیل امور کو ہمارے یہاں بالاتفاق عقائد میں شمار کیا گیا ہے۔

حيات الانبياء فی القبور (المہند ۱۳)

دعاؤں میں زندہ اور فوت شدہ بزرگوں کا وسیلہ لینا (ایضاً)

قبر اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کرنا افضل ترین عبادت ہے (المہند ص ۱۱)

جسد اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقی و متصل قطعہ ارضی؛ تمام روئے زمین حتی کہ کعبہ اور عرش و کرسی سے بھی افضل ہے (ایضاً)

بزرگوں کے سینوں اور ان کی ارواح و قبور سے فیوض حاصل کرنا صحیح ہے۔ (ایضاً)

ان امور کو ہمارے یہاں بالاتفاق عقائد علماء دیوبند میں شمار کیا گیا ہے اور ان میں سے پہلے نمبر (عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کا جب کچھ لوگوں نے انکار کیا تو ان کے خارج اہلسنت ہونے کے فتوے بھی جاری ہوئے، لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ مذکورہ عقائد؛ الفقه الاكبر عقيدة الطحاويه، عقائد نسفيه۔ وغیرہ متون میں صراحت کے ساتھ کہاں ہیں اور ان کے دلائل قطعی ہیں یا ظنی؟

جتنے اور جیسے دلائل ان مذکورہ امور کے عقائد میں شامل ہونے کے دیئے جاسکتے ہیں اس سے کہیں زیادہ دلائل فسق یزید کے عقائد میں ہونے کے پیش کر دیئے گئے ہیں اور مزید دلائل محفوظ ہیں۔ اس لئے یہ دعویٰ خود بخود باطل ہو جاتا ہے کہ "فسق یزید کی بحث محض تاریخی ہے، عقائد اور سنیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں"۔

فسق یزید؛ اہلسنت کے یہاں متفق علیہ ہے

(1) علامہ ابو الیسر بزدوی الحنفی-المتوفی ۴۹۳ھ۔ فرماتے ہیں:

واما يزيد بن معاوية كان ظالما و لكن هل كان كافرا تكلم الناس فيه الخ۔

(اصول الدین ص ۹۸)

علامہ کے نزدیک یزید کے کفر میں تو کلام ہے لیکن ظالم ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

(2) امام ابو الحسن الکیاہراسی الشافعی المتوفی ۵۰۴ھ۔ فرماتے ہیں:

واما قول السلف ففيه لاحمد قولان تلويح و تصريح، ولمالك قولان تلويح و تصريح ولابي حنيفة قولان تلويح وتصريح، ولنا قول واحد التصريح دون التلويح. الخ

(وفیات الاعیان ۳/۲۸۷)

امام کیاہراسی نے چاروں اماموں کے حوالے سے یزید کا فسق اور لعنت کا جواز وعدم جواز بیان کیا ہے، ائمہ اربعہ کا کسی بات پر متفق ہو جانا شاید اجماع واتفاق ہی کہلاتا ہے۔

(3) علامہ ابن جوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ۔ فرماتے ہیں:

واعلم انه مارضى ببيعة يزيد احد فيمن يعول عليه حتى العوام انكروا ذلك غير انهم سكتوا خوفا على انفسهم والعلماء يحكمون بصحة الامامة اذا وقعت قهرا لموضع الضرورة .....و مارضى ببيعة يزيد لا عالم ولا جاهل-

(الرد على المتعصب العنيد ص۷۸،۸۰)

علامہ ابن جوزی کے بقول عالم تو چھوڑیں کوئی جاہل بھی یزید کی بیعت سے خوش نہیں تھا، جن لوگوں نے یزید کی بیعت کی یا جو چپ تھے انھوں نے جان کے خوف سے ایسا کیا۔

(4) علامہ عبد الرحمان ابن خلدون مالکی - المتوفی ۸۰۸ھ۔ فرماتے ہیں:

واما الحسين فانه لماظهرفسق يزيد عندالكافة من اهل عصره بعثت شيعة اهل البيت بالكوفة ان يأتيهم فيقوموا بامره فرأى الحسين ان الخروج على يزيد متعين من اجل فسقه لاسيمامن له القدرة على ذلك الخ

(مقدمہ ابن خلدون ص۲۶۹)

ابن خلدون کے نزدیک تو صحابہ کے زمانے میں ہی یزید کے فسق پر اتفاق ہو گیا تھا۔

(5) علامہ ابن حجر مکی الشافعی المتوفی ۹۷۴ھ۔ فرماتے ہیں:

و بعد اتفاقهم على فسقه اختلفوا في جواز لعنه.الخ

(الصواعق المحرقہ ص۵۹۶)

فسق میں اتفاق ہے البتہ لعنت کے جواز میں اختلاف ہے۔

(6) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حنفی المتوفی ۱۱۷۶ھ۔ فرماتے ہیں:

ومن القرون الفاضلة اتفاقاً من هو منافق او فاسق ومنها الحجاج ويزيد بن معاوية ومختار. الخ

(حجة الله البالغة(۲/۲۱۵)

خیر القرون میں سے جن لوگوں کے منافق یا فاسق ہونے پر اتفاق ہے ان میں یزید بھی ہے۔

(7) امام محمد بن علی الصبان الشافعی المتوفی ۱۲۰۶ھ۔ فرماتے ہیں:

واما فسقه فقد اجمعوا عليه الخ

(اسعاف الراغبين ص۷۵)

فسق یزید پر اجماع ہے۔

(8) حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوئی۔ المتوفی ۱۲۹۷ھ۔ فرماتے ہیں:

"سو یزید بالاتفاق؛ وقت اعلان فسق وفجور مستحق اس کا نہ تھا بلکہ غاصب تھا۔"

(فیوض قاسمیہ ص ۱۰ بحوالہ حاشیہ شہادت حسین وکردار یزید، ص ۵)

(9) مفتی عزیز الرحمان عثمانی المتوفی ۱۹۲۸ء۔ فرماتے ہیں:

"یزید پر لعنت بھیجنے اور نہ بھیجنے کے جواز میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ لعنت کرنا یزید کو درست نہیں ہے، اور کافر ہونا یزید کا ثابت نہیں ہوا، البتہ فاسق تھا۔"

(فتاوی دار العلوم ۱۸/ ۴۵۱)

مفتی صاحب نے لعنت میں تو اختلاف کا ذکر کر دیا لیکن فسق میں کسی اختلاف کا ذکر نہ کر کے یقینی انداز میں فرمایا: البتہ فاسق تھا۔

(10) علامہ انور شاہ کشمیری المتوفی ۱۹۳۴ء فرماتے ہیں:

یزید فاسق بلاریب۔

(العرف الشذی ۲/ ۲۱۳)

(11) علامہ یوسف بنوری المتوفی ۱۹۷۷ء۔ فرماتے ہیں:

ویزید لاریب فی کونہ فاسقاً

(معارف السنن (۶/ ۸)

ان دونوں بزرگوں کی عبارات سے معلوم ہوا کہ یزید کے فسق میں اختلاف تو چھوڑیئے شک کی بھی گنجائش نہیں۔

(12) علامہ عبد الحق حقانی المتوفی ۱۳۳۵ھ۔ فرماتے ہیں:

اس کمبخت کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے لیکن علماء کا اس کے لعنت کہنے میں اختلاف ہے۔ الخ

(عقائد اسلام حقانی ص ۲۳۳)

(13) حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب - المتوفی ۱۹۸۳ء۔ فرماتے ہیں:

اختلاف اگر ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے تفسیق میں نہیں۔۔۔یزید کا یہی وہ ذاتی اجتماعی اور مسلمہ کل فسق ہے۔۔۔اس عبارت سے یزید کا فسق متفق علیہ ہو جاتا ہے۔

(شہید کربلا اور یزید ص ۱۰۹،۱۱۰)

(14) مفکر اسلام مولانا ابو الحسن علی میاں ندوی فرماتے ہیں:

ہمارے تمام قابل اعتماد اور لائق استناد مجتہدین اور ائمہ سب متفق ہیں یزید کے فعل کی شناعت اور یزید کے فسق پر۔

(مولانا عبد الشکور لکھنوی اور ان کی تحریک مدح صحابہ ص ۱۳۱)

(15) محقق العصر علامہ عبد الرشید نعمانی فرماتے ہیں:

اہل سنت کے یہاں فسق یزید متفق علیہ ہے۔

(یزید کی شخصیت ص ۲۰۲)

(16) حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید فرماتے ہیں:

یزید کے فسق پر تو اہل سنت کا قریب قریب اجماع ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/ ۱۷۲)

(17) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب فرماتے ہیں:

فسق یزید اہل سنت والجماعت کے مسلک میں متفق علیہ ہے۔

(خارجی فتنہ ص ۲۲)

(18) مؤرخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر حسین مبارکپوری فرماتے ہیں:

جہاں تک یزید کے فسق و فجور کی وجہ سے صحابہ کرام کے نفرت کرنے کا تعلق ہے اس میں سب صحابہ متفق تھے، اس میں اختلاف نہیں تھا، البتہ اس کے خلاف خروج کرنے میں ان کا اجتہادی اختلاف تھا۔

(سیدنا علی و حسین ص ۱۳۵)

(19) مناظر اسلام محقق العصر حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑوی فرماتے ہیں:

جو لوگ یزید پر لعنت کرتے ہیں وہ بھی اس سے افعال فسق کا صدور مانتے ہیں اور جو لوگ لعنت کو جائز نہیں کہتے وہ بھی اس سے افعال فسق کا صدور مانتے ہیں گویا اس کا فاسق ہونا ہر دو فریق کے ہاں متفق علیہ ہے۔

(تجلیات صفدر ۱/ ۵۱۹)

(20)مؤرخ اسلام حضرت مولانا اسماعیل ریحان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

علمائے امت یزید کے فسق پر متفق چلے آرہے ہیں۔

(تاریخ امت مسلمہ ۲/ ۵۳۷)

اس کتاب کو حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی بھرپور تائید حاصل ہے۔ کمامر

فسق یزید کے متفق علیہ ہونے پر ناچیز نے بیس (20) اکابر و محقق علماء کے حوالے پیش کئے ہیں، آخر الذکر کو چھوڑ کر سبھی وفات پا چکے ہیں، اگر کوشش کی جائے تو تقریباً اتنے ہی حوالے اور بھی مل جائیں گے۔

کسی مسئلے کو اتفاقی ثابت کرنے کے لئے کم از کم کتنے علماء کے حوالے چاہئیں اور اتفاق ثابت ہو گا یا اجماع؛ یہ تو (مفتی عامر عثمانی صاحب) ہی بتا پائیں گے؛ البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ اس سے آدھے حوالے ہونے کے باوجود بھی ہمارے یہاں بہت سارے مسئلے اتفاقی و اجماعی سمجھے جاتے ہیں۔(ماخوذ: محاکمے کا محاکمہ)

ہم مفتی عامر عثمانی صاحب سے ادباً گزارش کرتے ہیں کہ اس پوری بحث کو بغور ملاحظہ فرما کر اپنے فتوے پر نظر ثانی کریں۔ یا کم از کم ہمیں ان حوالوں کا کوئی ایسا معقول جواب عنایت فرمادیں کہ ہم اپنی اصلاح کر لیں۔

یکے از خدام مسلک دیوبند

مفتی عصمت اللہ نظامانی صاحب حفظہ اللہ استاد جامعہ دار العلوم کراچی

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ پر تشیع کے الزام کا جائزہ

زیرِ نظر مضمون میں امام ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ نیساپوری المعروف امام حاکم پر تشیع کے الزام کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جارہاہے۔ مگر اصل موضوع شروع کرنے سے قبل چند باتیں بطورِ تمہید ملحوظ رہیں:

(الف):۔ اہل تشیع کی مجموعی طور پر مندرجہ ذیل تین اقسام ذکر کی جاتی ہیں:

ا۔ مطلق شیعہ (تفضیلی): جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت کے قائل ہوں، باقی دیگر عقائد اہلِ سنت سے زیادہ مختلف نہ ہوں، چنانچہ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین یعنی حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما پر فوقیت دیتے ہوں، اور نہ ہی حضراتِ صحابہؓ کی شان میں کوئی گستاخی کرتے ہوں۔ جیسا کہ علامہ ابنِ حجر رقم طراز ہیں:

فالتشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي على عثمان، وأن عليا كان مصيبا في حروبه وأن مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين وتفضيلهما[1]

ترجمہ: متقدمین کے عرف میں شیعت نام ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان پر فضیلت دینے کا، اور یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنی لڑائیوں میں حق پر تھے، اور مخالفین غلطی پر تھے، حضرات شیخین یعنی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کو ان پر فضیلت دینے کے ساتھ۔

2:۔ غالی شیعہ: جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ سمیت تمام صحابہ پر فضیلت دیتے ہوں۔

3:۔ رافضی: اہلِ تشیع کی انتہائی گمراہ قسم جو حضراتِ صحابۂ کرام پر (العیاذ باللہ) سب وشتم اور دشنام طرازی وافتراء پردازی کرتے ہوں۔ اور دیگر گمراہ کن عقائد کے حامل ہوں۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

من سكت عن ترحم مثل الشهيد أمير المؤمنين عثمان، فإن فيه شيئا من تشيع، فمن نطق فيه بغض وتنقص وهو شيعي جلد يؤدب، وإن ترقى إلى الشيخين بذم، فهو رافضي خبيث.[2]

ترجمہ: جو شخص امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے شہید پر رحم کی دعا مانگنے سے خاموش رہے، تو اس میں کچھ شیعت ہے، اور جو ان کے بارے میں گستاخی کرے، بغض و تنقیص کرے تو وہ غالی شیعہ ہے، اس کی تادیب کی جائے گی، اور اگر وہ حضرات شیخین یعنی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی برائی کرنے لگ جائے تو وہ خبیث رافضی ہے۔

علامہ صنعانیؒ لکھتے ہیں:

وقد اتضح لك أن الحافظ الذهبي قسم التشيع ثلاثة أقسام: الأول تشيع بلا غلو وهذا لا كلام فيه --- والقسم الثاني من غلا في التشيع --- الثالث من أقسام التشيع من غلا وحط على الشيخين. (۳)

ترجمہ: آپ کے لیے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حافظ ذہبیؒ نے شیعت کو تین قسموں پر تقسیم کیا ہے، اول: غلو کے بغیر شیعت، اس میں کوئی کلام نہیں۔۔۔ دوسری قسم: جو شیعت میں غالی ہو۔۔۔ تیسری قسم: جو غالی ہو اور حضرات شیخین یعنی حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی شان میں گستاخی کرے۔

تو اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تھوڑا سا تشیع پایا جانا، زیادہ قابلِ نکیر یا باعث طعن و تشنیع نہیں، بخلاف غالی شیعہ یا رافضی ہونے کے؛ کیونکہ جو شخص تمام صحابہ کرامؓ کی عظمت کا قائل ہو گا، وہ ان کی روایات اور ان سے منقول احادیث کو بھی مانے گا، جس کی وجہ سے اہلِ سنت والجماعت سے اس کے عقیدہ زیادہ مختلف نہیں ہوں گے۔

(ب):۔ اہلِ سنت کے متعدد مشہور فقہاء و محدثین پر بھی شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا ہے، جس کی وضاحت حسبِ ذیل ہے:

1:۔ امام احمد بن عبد اللہ عجلیؒ نے جلیل القدر فقیہ امام شافعیؒ کو شیعہ کہا ہے، چنانچہ ان کا قول ہے:

هو ثقة صاحب رأي ليس عنده حديث وكان يتشيع. (۴)

ترجمہ: امام شافعی ثقہ، صاحب قیاس ہیں، ان کے پاس احادیث کا زیادہ ذخیرہ نہیں، اور وہ شیعہ عقائد رکھتے تھے۔

اسی طرح یحیی بن معینؒ نے بھی امام شافعیؒ پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا ہے، چنانچہ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں:

يحيى بن معين ينسب الشافعي إلى التشيع. (۵)

ترجمہ: یحیی بن معینؒ امام شافعی کو شیعت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

2:۔ مسلمہ بن قاسم اندلسی نے کتاب الصلۃ میں جرح وتعدیل کے مشہور امام ابو حاتم محمد بن ادریس رازی کو شیعہ کہا ہے، چنانچہ وہ امام ابو حاتم رازی کے بارے میں کہتے ہیں:

كان ثقة وكان شيعيا مفرطا وحديثه مستقيم. (۶)

ترجمہ: وہ قابلِ اعتماد اور سخت قسم کے شیعہ تھے، اس کی احادیث درست ہیں۔

3:۔ مشہور محدث علامہ دار قطنیؒ کو بھی شیعت کی طرف منسوب کیا گیا ہے، چنانچہ حمزہ بن محمد بن طاہر کہتے ہیں:

أن الدارقطني كان يحفظ ديوان السيد الحميري، فنسب لذا إلى التشيع. (۷)

ترجمہ: امام دار قطنیؒ کو سید حمیری کا شعری مجموعہ (دیوان) حفظ تھا، اسی وجہ سے انہیں شیعت کی طرف منسوب کیا گیا۔

بطور مشتے از خروارے چند ائمہ ءکرامؒ کا نام ذکر کیا ہے، جن کی علمی و دینی خدمات سے اہل سنت آج تک بالاتفاق مستفید ہوتے آرہے ہیں، اور جن کی مساعیٔ جمیلہ اور بلند مرتبے کا بیک زبان اعتراف واقرار کرتے آئے ہیں۔ ایسے جلیل القدر حضراتِ ائمہ پر بھی شیعہ ہونے کا الزام لگایا گیا ہے، اور بغیر کسی ثبوت یا محض ادنیٰ شبہہ، مثلاً کسی شیعہ شاعر (سید حمیری) کے اشعار کو یاد کرنے پر بھی انہیں شیعت کی طرف منسوب کیا گیا۔ لہٰذا اس سے امام حاکمؒ پر شیعہ ہونے کے الزام واتہام کی حقیقت بھی مخفی نہیں رہی ہو گی۔

نیز ایسی عظیم ہستیوں پر تشیّع کا الزام لگا کر انہیں اہلِ سنت سے خارج کرنا اور شیعہ ثابت کرنا کوئی دینی یا علمی خدمت نہیں، بلکہ ناعاقبت اندیشی اور فریق مخالف کے ساتھ بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

(ج):۔ محدثین کرام اور ائمہ ءجرح وتعدیل نے جارح ومعدّل کی چند شرائط ذکر کی ہیں، اور وضاحت سے ان اوصاف کو ذکر کیا ہے جن کا جرح کرنے والے میں پایا جانا ضروری ہے۔ منجملہ ایک شرط اور وصف یہ ہے کہ جرح کرنے والے اور مجروح (جس پر جرح کی جارہی ہے) کے درمیان کسی قسم کی منافرت، **مسلکی تعصب یا** نظریاتی اختلاف کی شدت نہ ہو، چنانچہ علامہ سبکیؒ تحریر فرماتے ہیں:

أن مما ينبغى أن ينظر فيه ويتفقد وقت الجرح والتعديل حال العقائد فإنه باب مهم وقع بسببه كلام بعض الأئمة فى بعض لمخالفة العقيدة. [۸]

ترجمہ: جرح وتعدیل کے وقت جن امور میں غور وفکر کرنا ضروری ہے، ان میں سے ایک عقائد کی حالت ہے، یہ اہم بات ہے، کیونکہ عقیدہ کی مخالفت کی وجہ سے بعض ائمہِ کرام کا بعض کے خلاف کلام واقع ہوا ہے۔

اور حافظ ابنِ حجر رقم طراز ہیں:

وممن ينبغي أن يتوقف في قبول قوله في الجرح: من كان بينه وبين من جرحه عداوة سببها الاختلاف في الاعتقاد. [۹]

ترجمہ: جرح میں جن افراد کا قول قبول کرنے میں توقف کرنا چاہیے، ان میں ایک وہ شخص ہے کہ اس کے اور مجروح (جس پر جرح کی ہے) کے درمیان عقائد میں اختلاف کے سبب پیدا ہونے والی عداوت ہو۔

اور علامہ رافعیؒ فرماتے ہیں:

وينبغي ان يكون المزكون براء من الشحناء والعصبية في المذهب. [۱۰]

ترجمہ: تزکیہ کرنے والوں یعنی جرح تعدیل والوں کو بغض اور مذہبی و مسلکی تعصب سے بریٔ ہونا چاہیے۔

اور علامہ امیر صنعانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

فقد جرح بذلك أي بأمر العقائد خلق كثير بل أكثر ما تجد الجرح في كتب الرجال يكون بالرفض والنصب والغلو في التشيع والقول يخلق القرآن وكل ذلك من مسائل الاعتقاد. [۱۱]

ترجمہ: عقائد کی وجہ سے بہت سے حضرات پر جرح کی گئی ہے، بلکہ کتب رجال میں آپ پائیں گے کہ اکثر جرح رفضی، ناصبی، غالی شیعہ ہونے اور قرآن کو مخلوق ماننے کی وجہ سے ہو گی، اور یہ سب عقائد کے مسائل ہیں۔

اور علامہ ذہبی تحریر فرماتے ہیں:

قلت: كلام الأقران بعضهم في بعض لا يعبأ به، لا سيما إذا لاح لك أنه لعداوة أو لمذهب.(۱۲)

ترجمہ: بعض معاصرین کے بعض کے خلاف کلام کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، خصوصاً جب یہ بات ظاہر ہو جائے کہ وہ عداوت یا مذہب و مسلک کی بنا پر ہے۔

اور اسی مسلک و اعتقادات کے اختلاف کی وجہ سے امام ذہبیؒ جیسی جلیل القدر شخصیت کی جرح و تعدیل کو بھی رد کیا گیا ہے، چنانچہ علامہ سبکیؒ کا قول ہے:

لا يقبل قول الذهبي في مدح حنبلي ولا ذم أشعري.(۱۳)

ترجمہ: کسی حنبلی کی مدح میں اور کسی اشعری کی مذمت میں علامہ ذہبیؒ کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔

لہٰذا مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوئی کہ جارح اور مجروح (جس پر جرح کی گئی ہے) کے درمیان اگر مسلکی یا نظریاتی اختلاف شدت سے پایا جائے تو جرح قبول نہیں کی جائے گی۔

اس تمہید کے بعد اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں:

امام حاکم پر رافضی ہونے، غالی شیعہ ہونے اور تفضیلی شیعہ ہونے یعنی تینوں اقسام کے تشیع کا الزام لگایا گیا ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

امام حاکمؒ پر رافضی ہونے کا الزام

امام حاکمؒ پر ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد ہرویؒ نے رافضی ہونے کا الزام لگایا ہے، چنانچہ علامہ ابن طاہر نے جب ان سے امام حاکم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:

ثقة في الحديث رافضي خبيث.(۱۴)

ترجمہ: حدیث میں قابلِ اعتماد ہے، خبیث رافضی ہے۔

تو شیخ عبد اللہ بن محمد ہروی کی اس جرح سے مفہوم ہوتا ہے کہ امام حاکم کٹر اور غالی قسم کے شیعہ تھے، جو حضرات صحابۂ کرام پر بھی دستِ طعن دراز کرتے تھے؛ کیونکہ اوپر یہ بات گزر چکی ہے کہ رافضی شیعوں کی اس قسم کو کہا جاتا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم جیسی مقدس ہستیوں پر سب و شتم اور دشنام طرازی کریں۔

لیکن جمہور اہلِ علم نے اس الزام کو بے بنیاد قرار دیا ہے، اور امام حاکمؒ کے رافضی ہونے کی واشگاف الفاظ

میں نفی کی ہے، چنانچہ خود علامہ ذہبی نے عبد اللہ بن محمد ہروی کا مذکور بالا قول ذکر کر کے فرمایا ہے:

قلت: كلا ليس هو رافضيا، بلى يتشيع.(۱۵)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ وہ رافضی ہرگز نہیں، بلکہ شیعہ عقائد رکھتے ہیں۔

اور میزان الاعتدال میں رقم طراز ہیں:

قلت: الله يحب الإنصاف، ما الرجل برافضى، بل شيعي فقط.(۱۶)

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند کرتا ہے، امام حاکم رافضی نہیں، بلکہ صرف شیعہ ہیں۔

اور تذکرۃ الحفاظ میں رقم طراز ہیں:

فهو شيعي لا رافضي. (۱۷)

یعنی امام حاکم شیعہ تھے، رافضی نہیں۔

امام حاکمؒ کو رافضی کہنے والوں کی دلیل کا جواب:

امام حاکم رحمہ اللہ کو رافضی کہنے والے اپنی تائید میں شیخ عبد اللہ بن محمد ہرویؒ کا اوپر ذکر کردہ قول پیش کرتے ہیں اور اس سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کا جواب حسبِ ذیل ہے:

شیخ ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد ہرویؒ کی عظمت و جلالتِ شان میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو شیخ الاسلام کا لقب دیا گیا، لیکن اس کے باوجود وہ فقہی مسلک کے اعتبار سے متصلب حنبلی تھے، چنانچہ ان کا شعر ہے:

أنا حنبلي ما حييت، وإن أمت ... فوصيتي للناس أن يتحنبلوا.(۱۸)

ترجمہ: میں حنبلی ہوں، جب تک زندہ رہوں، اور اگر میرا انتقال ہو جائے تو میری لوگوں کو وصیت ہے کہ وہ بھی حنبلی ہو جائیں۔

اور عقائد و نظریات کے اعتبار سے صوفی تھے، اور حضرات متکلمین پر تنقید کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

كان حافظا للحديث بارعا في اللغة آية في التصوف والوعظ. (۱۹)

ترجمہ: وہ حافظِ حدیث، لغت میں ماہر، تصوف اور وعظ میں آیت و نشانی تھے۔

اور علامہ ذہبیؒ رقم طراز ہیں:

وكان شيخ الإسلام أثريا قحا، ينال من المتكلمة. (۲۰)

ترجمہ: شیخ الاسلام ہرویؒ خالص محدث تھے، متکلمین کے خلاف لب کشائی کرتے تھے۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ شیخ ابواسماعیل عبد اللہ بن محمد ہرویؒ اپنے فقہی مسلک اور نظریاتی مشرب میں کافی میہ صلب تھے۔ دوسری جانب امام حاکمؒ کا معاملہ ان کے خلاف تھا، وہ فقہی مذہب کے اعتبار سے شافعی تھے، اور عقائد کے اعتبار سے اشعری تھے۔ چنانچہ علامہ ابن الجزریؒ اور علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کے شافعی ہونے کی تصریح کی ہے۔ (۲۱)

اسی طرح علامہ ابن عساکرنے امام حاکمؒ کو اشاعرہ کے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے، اور اس طبقہ میں امام ابوالحسن اشعریؒ کے تلامذہ سے استفادہ کرنے والے افراد شامل ہیں۔ (۲۲) نیز علامہ تاج الدین سبکیؒ نے بھی وضاحت سے امام حاکمؒ کا اشعری ہونا ثابت کیا ہے۔ (۲۳)

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام حاکمؒ اور شیخ بواسماعیل ہرویؒ کے درمیان مسلکی اور نظریاتی اختلاف تھا، اور دونوں علیحدہ ائمہ کرام کی اقتداء کرتے تھے۔ امام حاکم اشعری تھے تو شیخ ابواسماعیل ہرویؒ حنبلی تھے۔

اور یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان ماضی میں کافی کشیدگی اور اختلافات رہے ہیں، اس بات کو علامہ ذہبی اپنی عمدہ تعبیر سے ذکر کرتے ہیں:

وكان بين الأشعرية والحنابلة تعصب زائد يؤدي إلى فتنة، وقيل وقال، وصداع طويل. (۲۴)

ترجمہ: اشاعرہ اور حنابلہ کے درمیان زیادہ تعصب تھا جو فتنہ وفساد، فضول بحثوں اور لمبے سر درد کی طرف لے جاتا ہے۔

بلکہ خود شیخ بواسماعیل ہرویؒ بھی اشاعرہ کے بہت خلاف تھے، چنانچہ ان کے بارے میں ابن ابی یعلی فرماتے ہیں:

وكان شديدا على الأشعرية. (۲۵)

ترجمہ: وہ اشاعرہ کے سخت خلاف تھے۔

توجب یہ واضح ہو چکا کہ شیخ ابو اسماعیل ہرویؒ حنبلی تھے، اور اشاعرہ کے بہت خلاف تھے، اور دوسری جانب امام حاکمؒ اشعری تھے، اور تمہید میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جرح کرنے والے اور مجروح (جس پر جرح کی گئی ہو) کے درمیان اگر فقہی و اعتقادی اختلاف ہو تو جرح قبول نہیں کی جاتی۔ لہٰذا شیخ ابو اسماعیل ہرویؒ کا امام حاکم کو رافضی کہنا اور ان پر جرح کرنا بھی قبول نہ ہونا چاہیے۔

امام حاکمؒ پر غالی شیعہ ہونے کا الزام:

علامہ محمد بن طاہر مقدسیؒ نے امام حاکمؒ کو غالی قسم کا شیعہ قرار دیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

كان شديد التعصب للشيعة في الباطن، وكان يظهر التسنن في التقديم والخلافة. (۲۶)

ترجمہ: امام حاکم اندر سے شیعوں کے حق میں سخت تعصب والے تھے، خلافت اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کو مقدم کرنے کے معاملہ میں اپنا سنی ہونا ظاہر کرتے تھے۔

تو علامہ ابن طاہر کے نزدیک امام حاکمؒ سخت متعصب اور غالی قسم کے شیعہ ہوئے، لیکن اکثر اہل علم اس موقف میں علامہ ابن طاہر کے ساتھ نہیں، کیونکہ انہوں نے امام حاکم کو غالی و متعصب شیعہ نہیں قرار دیا، بلکہ تھوڑا شیعہ اور تشیع کی طرف مائل قرار دیا ہے، جیسا کہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

وكان من بحور العلم على تشيع قليل فيه. (۲۷)

یعنی امام حاکم کچھ شیعہ ہونے کے باوجود علم کے سمندر تھے۔

امام حاکمؒ پر غالی شیعہ ہونے کے الزام کا جواب

امام حاکمؒ کو غالی شیعہ کہنے والے علامہ محمد بن طاہر مقدسیؒ ہیں۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ احادیث مبارکہ کے ساتھ خصوصی شغف رکھنے والے جلیل القدر عالم تھے، آپ کے اخلاص و نیک نیتی میں کوئی شک نہیں، تاہم ہر نیک شخص کی جرح کا مقبول ہونا ضروری نہیں، بلکہ جرح و تعدیل کے اصول اور جارح و تعدیل کرنے والے کی شروط کو دیکھا جائے گا، چنانچہ جب ہم جارح یعنی علامہ محمد بن طاہر مقدسیؒ اور مجروح (جس پر جرح کی گئی) یعنی امام حاکمؒ کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں ہستیوں کے درمیان بھی **مسلکی و نظریاتی** اختلاف تھا۔ چنانچہ امام حاکمؒ کا فقہی مذہب شافعی اور نظریاتی طور پر اشعری تھے، تو دوسری جانب علامہ محمد بن طاہر

مقدسیؒ فقہی طور پر امام داود ظاہری کے پیروکار تھے، یعنی ائمہ ءاربعہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، جیساکہ ابوالحسن محمد بن ابی طالب کرجی نے علامہ محمد بن طاہر مقدسیؒ کے بارے میں نقل کیا ہے:

كان داودي المذهب وسألته عن ذلك فقال: اخترت مذهب داود. (۲۸)

یعنی علامہ ابن طاہر دوود ظاہری کے مذہب والے تھے، میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں امام داود کا مذہب اختیار کیا ہے۔

اور نظری واعتقادی اعتبار سے صوفی تھے، چنانچہ علامہ ذہبی ان کے صوفیانہ مسلک پر تنقید کرتے تھے ہوئے فرماتے ہیں:

وله انحراف عن السنة إلى تصوف غير مرضى. (۲۹)

یعنی علامہ ابن طاہر میں سنت سے ناپسندیدہ تصوف کی طرف انحراف تھا۔

بلکہ بعض تذکرہ نگاروں نے یہاں تک لکھا ہے کہ علامہ محمد بن طاہر مقدسی شوافع پر بہت تنقید کرتے تھے، چنانچہ علامہ یاقوت حموی رقم طراز ہیں:

وكان ما علمت وقاعة في كل من انتسب إلى مذهب الشافعي. (۳۰)

ترجمہ: میرے علم کے مطابق وہ (علامہ محمد بن طاہر) شافعی مذہب کی طرف منسوب ہر شخص پر بہت تنقید کرنے والے تھے۔

اگرچہ علامہ یاقوت حمویؒ کے اس قول کو عمومی طور پر درست ماننا مشکل ہے، تاہم اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ علامہ محمد بن طاہر مقدسی شوافع پر خصوصی طور پر جرح کرتے تھے، اور امام حاکمؒ بھی فقہی مسلک کے اعتبار سے شافعی تھے۔ اور جیساکہ تمہید میں یہ اصول گزر چکا ہے کہ جرح کرنے والے اور مجروح (جس پر جرح کی گئی ہو) کے درمیان اگر عقائد یا مسلکی اختلاف زیادہ ہو تو جرح قبول نہیں ہو گی۔ لہٰذا علامہ محمد بن طاہر مقدسیؒ کی امام حاکم کے بارے میں جرح (انہیں غالی شیعہ کہنا) بھی قبول نہ ہونی چاہیے۔

جیساکہ علامہ تاج الدین سبکیؒ نے بھی شیخ ابو اسماعیل ہروی اور علامہ محمد بن طاہر مقدسی کے امام حاکم کے بارے میں اقوال ذکر کر کے فرمایا ہے:

وقطعت القول بأن كلام أبي إسماعيل وابن الطاهر لا يجوز قبوله في حق هذا الإمام لما بينهم من مخالفة العقيدة. (۳۱)

ترجمہ: میں نے یقینی طور پر یہ بات کہی ہے کہ شیخ ابو اسماعیل ہروی اور علامہ ابن طاہر کی اس امام یعنی حاکم کے بارے میں جرح قبول کرنا جائز نہیں؛ ان کے درمیان عقائد کے اختلاف کی وجہ سے۔

امام حاکمؒ پر مطلق شیعہ (تفضیلی) ہونے کا الزام

اکثر حضرات نے امام حاکم پر رافضی یا غالی شیعہ ہونے کا الزام لگانے کے بجائے، انہیں مطلق شیعہ (تفضیلی) قرار دیا ہے، چنانچہ خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:

وكان ابن البيع يميل إلى التشيع. [۳۲]

ترجمہ: امام حاکم (المعروف ابن البیع) شیعت کی طرف مائل تھے۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

وكان من بحور العلم على تشيع قليل فيه. [۳۳]

یعنی امام حاکم کچھ شیعہ ہونے کے باوجود علم کے سمندر تھے۔

اور علامہ جمال الدین اسنویؒ طبقات الشافعیہ میں امام حاکم کے بارے میں لکھتے ہیں:

كان فقيها، حافظا ثقة حجّة، إلا أنّه كان يميل إلى التشيّع. [۳۴]

ترجمہ: امام حاکم فقیہ، حافظ، قابلِ اعتماد، حجت تھے، مگر یہ کہ وہ تشیع کی طرف مائل تھے۔

امام حاکمؒ کو مطلق شیعہ کہنے والوں کے دلائل

پہلی دلیل: علامہ خطیب بغدادی نے اپنے بعض شیوخ (ابو اسحاق ابراہیم بن محمد الارموی) سے امام حاکم کا تشیع ثابت کرنے کے حوالہ سے یہ دلیل ذکر کی ہے کہ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں بعض ایسی ضعیف احادیث بھی ذکر کی ہیں جن سے اہلِ تشیع کے بعض عقائد کی تائید ہوتی ہے، اور ایسی احادیث کو امام بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، مثلاً حدیث الطیر اور "**من كنت مولاه**" والی روایت۔ [۳۵]

"حدیث الطیر" کی وضاحت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ایک بھنا ہوا پرندہ پیش کیا گیا، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

اللهم ائتني بأحب خلقك إليك يأكل معي من هذا الطير.

ترجمہ: اے اللہ! اپنی مخلوق میں جو شخص سب سے زیادہ آپ کو محبوب ہو، اس کو میرے پاس بھیجئے، تاکہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں دعا کرنے لگا کہ اللہ کرے وہ کوئی انصاری آدمی ہو، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔[۳۶]

اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ افضل تھے۔

حدیث "من كنت مولاه" کی وضاحت

ایک طویل حدیث کا حصہ ہے:

من كنت مولاه، فعلي مولاه.[۳۷]

ترجمہ: جس کا میں دوست (مولیٰ) ہوں، علیؓ بھی اس کا دوست ہے۔

تو وہ کہتے ہیں کہ اوپر ذکر کردہ دو حدیثوں سے شیعوں کے مذہب کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرامؓ سے افضل ہیں۔ اور یہ کہ انہیں "مولیٰ" کہنا بھی درست ہے، اور وہ مولیٰ بمعنی مشکل کشا ہیں۔ لہٰذا امام حاکم کا ایسی حدیثوں کو اپنی کتاب مستدرک میں ذکر کرنا، اور انہیں صحیح قرار دینا اس بات پر دلیل ہے کہ امام حاکم ایک قسم کے شیعہ تھے۔

جوابِ دلیل:

اولاً: امام حاکمؒ ان احادیث کو ذکر کرنے میں منفرد اور تنہا نہیں ہیں، بلکہ اہلِ سنت کے متفقہ ائمہ کرامؒ نے بھی انہیں اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے اپنی مشہور کتاب سنن الترمذی میں ابواب المناقب کے تحت باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں "حديث الطير" کو ذکر کیا ہے۔[۳۸]

اسی طرح امام نسائیؒ نے بھی سنن النسائی میں کتاب الخصائص کے تحت "حديث الطير" کو ذکر کیا ہے۔[۳۹]

لہٰذا جس طرح امام ترمذیؒ اور نسائیؒ کو اپنی کتابوں میں "حديث الطير" کو ذکر کرنے پر شیعہ قرار نہیں دیا جاتا، اسی طرح امام حاکم رحمہ اللہ کو بھی اس حدیث کی وجہ سے شیعہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اسی طرح حدیث "**من کنت مولاہ**" کو بھی اہل سنت کے متعدد ائمہ کرام رحمہم اللہ نے ذکر کیا ہے، چنانچہ امام احمد نے اپنی "مسند" میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔(۴۰) نیز امام ترمذی نے باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں، اور امام نسائی نے خصائص امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کے تحت اور امام ابن ماجہ نے فضل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے اس حدیث کو اپنی کتابوں نقل کیا ہے، لہٰذا جس طرح ان حضرات کو حدیث "**من کنت مولاہ**" کو ذکر کرنے کی وجہ سے اہل تشیع میں شمار نہیں کیا جاتا، اسی طرح امام حاکم کو بھی اس حدیث کی بناپر شیعہ نہ کہنا چاہیے۔

ثانیاً: یہ احادیث موضوع نہیں ہیں، بلکہ متعدد طرق واسانید سے مروی ہونے کی وجہ سے بعض حضرات کے نزدیک حسن کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں، چنانچہ امام سبکی رحمہ اللہ حافظ صلاح الدین خلیل علائیؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

إن الحق في الحديث أنه ربما ينتهي إلى درجة الحسن أو يكون ضعيفا يحتمل ضعفه. (۴۱)

ترجمہ: حدیث طیر کے بارے میں حق بات یہ ہے کہ وہ حسن کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، یا تھوڑی ضعیف ہوگی جس کا ضعف قابلِ تحمل ہے۔

اور علامہ ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وأما حديث الطير فله طرق كثيرة جداًّ قد أفردتها بمصنف ومجموعها هو يوجب أن يكون الحديث له أصل. وأما حديث: "من كنت مولاه ... " فله طرق جيدة وقد أفردت ذلك أيضاً. (۴۲)

ترجمہ: حدیث الطیر کے بہت زیادہ اسانید ہیں، جنہیں میں ایک خاص تصنیف میں جمع کیا ہے، اور ان کا مجموعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہے۔ اور حدیث "**من کنت مولاہ**" کی متعدد عمدہ طرق اسانید ہیں، انہیں بھی میں الگ سے جمع کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ احادیث موضوع نہیں ہیں، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہیں، اور چونکہ کسی حدیث کو صحیح، حسن یا ضعیف قرار دینا، ایک اجتہادی امر ہے، لہٰذا عین ممکن ہے کہ جن

احادیث کو دوسرے حضرات حسن یا ضعیف سمجھتے ہوں، امام حاکم کے نزدیک وہ صحیح کے رتبہ تک پہنچ جاتی ہوں، اسی وجہ سے انہوں نے حدیث الطیر اور حدیث "من كنت مولاه" کو صحیح قرار دیا۔

ثالثاً: ان احادیث سے صراحتاً اہل تشیع کا مذہب ثابت نہیں ہوتا، بلکہ درست تاویل ممکن ہے، وہ اس طرح کہ لفظ "مولیٰ" کی عربی زبان میں مختلف معانی ہیں، جیسے دوست، محبوب، آزادہ کردہ غلام وغیرہ۔ لہٰذا اس حدیث میں لفظ مولیٰ کا معنی دوست و محبوب سے کریں گے، نہ کہ مشکل کشا سے۔

اسی طرح حدیث الطیر میں "أحب خلقك" میں تمام مخلوق مراد نہیں؛ کیونکہ اس میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی آجاتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل واعلیٰ قرار دینے کی جسارت کوئی سلیم الطبع شخص نہیں کرسکتا، بلکہ دوسری نصوص کی وجہ سے اس حدیث سے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے، اسی طرح حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ وغیرہ کو بھی مستثنیٰ کیا جائے گا۔ تو ان احادیث سے صراحتاً اہل تشیع کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری دلیل:

شیخ محمد بن طاہر نے امام حاکمؒ کے تشیع پر ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ نے انحراف کرنے والے تھے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

وكان منحرفاً عن معاوية وآله. (۴۳)

ترجمہ: وہ حضرت معایہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ سے انحراف واعراض کرنے والے تھے۔

جوابِ دلیل:

اولاً: حضرت معاویہؓ سے انحراف کا مطلب اگر کوئی یہ لے کہ امام حاکمؒ حضرت معاویہؓ کی شان میں دشنام طرازی کرتے تھے، تو یہ بالکل ناقابلِ قبول ہے۔ امام حاکم سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے بارے دستِ طعن دراز کیا ہے یا سب و شتم کرتے تھے۔

البتہ اگر کوئی یہ کہے کہ امام حاکم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث ذکر نہیں کی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ محض اس بات سے ان کو شیعہ ثابت کرنا کوئی معقول بات نہیں ہوگی؛ کیونکہ اہلِ سنت کے

اور بھی ائمہِ حدیث ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں حضرت معاویہؓ کے فضائل ومناقب کا اندراج نہیں کیا۔ مثلاً امام نسائی نے حضرت معاویہؓ کے مناقب ذکر نہیں کیے۔

ثانیاً: امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی احادیث ذکر کی ہیں، چنانچہ مستدرک کی **كتاب العلم، كتاب البيوع، كتاب معرفة الصحابة** وغیرہ میں متعدد احادیث ذکر ہیں۔ اور کوئی شیعہ حضرت معاویہؓ کی احادیث وروایات اپنی کتاب میں ذکر نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یہ الزام صحیح نہیں ہے کہ امام حاکم حضرت معاویہ سے انحراف واعراض کرنے والے تھے۔

باقی رہی حضرت معاویہؓ کی آل سے انحراف کی بات تو اس سے مراد اگر ان کا فرزند "یزید" ہے تو واضح بات کہ "یزید" سے انحراف صرف امام حاکم کا مذہب نہیں، بلکہ جمہور اہلِ سنت کا مسلک ہے۔ اور اگر "آل" میں ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کیا جائے تو یہ صحیح نہیں؛ کیونکہ امام حاکم نے اپنی کتاب **المدخل الى الصحيح** میں حضرت ابوسفیانؓ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح امام حاکم حضرت معاویہؓ کی والدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کے اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کا ذکر بھی کیا ہے۔[۴۴]

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام حاکم پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل خانہ سے انحراف کا الزام لگا کر تشیع ثابت کرنا درست نہیں۔

امام حاکم کے شیعہ نہ ہونے کے دلائل وقرائن

اولاً: امام حاکم نے اپنی کتاب مستدرک میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا ان کی خلافت کے مطابق ترتیب کے ساتھ ذکر کیا ہے، پہلے حضرت ابو بکرؓ کا تذکرہ کیا، اور پھر حضرت عمرؓ، بعد ازاں بالترتیب حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا ذکر کیا ہے۔ اور اس میں افضلیت کی طرف بھی ایک قسم کا اشارہ ہو گیا کہ جو سب سے افضل تھا، اس کو سب سے پہلے ذکر کیا، اسی طرح دوسرے خلفائے راشدینؓ۔ اگر امام حاکمؒ شیعہ ہوتے تو یہ گوارا نہ کرتے کہ حضرت ابو بکرؓ کا تذکرہ پہلے کیا جائے، اور حضرت علیؓ کا ذکر تاخیر سے چوتھے نمبر پر کیا جائے۔

ثانیاً: امام حاکمؒ نے حضرت ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے مناقب وفضائل کی ایسی احادیث بھی ذکر کی ہیں جن سے ان کی دوسرے صحابہ کرامؓ پر فوقیت وفضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ان میں سے چند احادیث مندرجہ

ذیل ہیں:

پہلی حدیث:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: أول حجر حمله النبي صلى الله عليه وسلم لبناء المسجد، ثم حمل أبو بكر حجرا آخر، ثم حمل عثمان حجرا آخر، فقلت: يا رسول الله، ألا ترى إلى هؤلاء كيف يساعدونك؟ فقال: «يا عائشة، هؤلاء الخلفاء من بعدي. [۴۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مسجد کی تعمیر کے لیے پہلا پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا، پھر حضرت ابو بکرؓ نے دوسرا پتھر اٹھایا، پھر حضرت عثمانؓ نے ایک دوسرا پتھر اٹھایا، تو میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ یہ حضرات کیسے آپ کی مدد کر رہے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! یہ میرے بعد خلفاء ہوں گے۔

اس حدیث کو امام حاکمؒ نے هذا حديث صحيح على شرط الشيخين کہاہے، یعنی یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

کیا کوئی شیعہ حضرت ابو بکر و عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں ایسی حدیث ذکر کرے گا جس میں ان کی خلافت کا تذکرہ موجود ہو؟

دوسری حدیث:

امام حاکم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں کئی احادیث ذکر کی ہیں، جن میں ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن الله جعل الحق على لسان عمر وقلبه. [۴۶]

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے حق حضرت عمر کی زبان اور دل میں رکھ دیا ہے۔

تیسری حدیث:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم مہاجرین میں سے کچھ افراد ایک گھر میں جمع تھے، ہمارے ساتھ حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبد الرحمن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص

تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لينهض كل رجل منكم إلى كفئه» فنهض النبي صلى الله عليه وسلم إلى عثمان فاعتنقه، وقال: «أنت وليي في الدنيا والآخرة». (۴۶)

ترجمہ: تم میں ہر ایک آدمی اپنے ساتھی کی طرف اٹھ کر جائے، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ کی طرف تشریف لے گئے اور معانقہ کیا، اور فرمایا: تم دنیا اور آخرت میں میرے ساتھی ہو۔

اس حدیث کو بھی امام حاکمؒ نے صحیح الاسناد کہا ہے۔

چوتھی حدیث:

اسی طرح امام حاکمؒ نے حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں ایک اور حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہزار دینار لے کر آئے اور آپ ﷺ کے سامنے پیش کر دیے، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار فرمایا:

ما ضر عثمان ما عمل بعد هذا اليوم

یعنی آج کے بعد حضرت عثمانؓ کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچائے گا۔

حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما کی اتنی عظیم فضیلت والی احادیث بیان کرنے والا کوئی شیعہ ہو سکتا ہے؟

ثالثاً: امام حاکم نے حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے مناقب ذکر کیے ہیں، جبکہ یہ دونوں حضرت جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے خلاف لڑے تھے، اسی طرح حضرت عمرو بن عاص کے مناقب بھی لکھے ہیں، حالانکہ وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہیں تھے۔ (۴۸)

اور اہل تشیع ان حضرات سے خصوصی خار کھاتے ہیں، کوئی شیعہ ان کے فضائل بیان کرنا تو کجا، ان کا ذکر خیر کرنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

رابعاً: امام حاکم کی مؤلفات اور کتابین بھی اس بات پر شاہدِ عدل ہیں کہ وہ ایک راسخ العقیدہ سنّی عالم ومحدث تھے، انہوں اہلِ سنت والجماعت سے متعلق دسیوں بے مثال کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے چند کا

ذکر درج ذیل ہے:

1:۔ المستدرك على الصحيحين،

2:۔ معرفة علوم الحديث،

3:۔المدخل إلى الصحيح،

4:۔ المدخل إلى معرفة كتاب الإكليل،

5:۔تاریخ نیسابور۔

یہ سب کتابیں شاندار اور بہترین علمی ذخیرہ ہیں، اور ان کے مطالعہ سے واضح طور پر معلوم ہو گا کہ ان کا مصنف شیعہ نہیں، بلکہ ایک جلیل القدر اہلِ سنت عالم ہے۔

خامساً: علامہ ذہبیؒ نے تاریخ الاسلام میں تشیع کا ایک دوسرا مفہوم بھی لکھا ہے:

ومعنى هذا التشيع حب علي وبغض النواصب، وأن يتخذه مولى، عملا بما تواتر عن نبينا صلى الله عليه وسلم. (۴۹)

ترجمہ: اس تشیع کا معنی حضرت علیؓ سے محبت کرنا، اور نواصب (اہل بیت کے دشمنوں) سے بغض رکھنا ہے، اور یہ حضرت علیؓ کو دوست و محبوب بنایا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر منقول بات پر عمل کرتے ہوئے۔

لہٰذا امام حاکم کی طرف منسوب تشیع کو اس معنی میں محمول کیا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت و مودّت کا بکثرت اظہار کرتے تھے، اور اہلِ بیت سے عناد رکھنے والوں پر سخت تنقید اور واضح الفاظ میں مخالفت کرتے تھے۔

خلاصۂ کلام

امام حاکم رحمہ اللہ کو رافضی یا غالی شیعہ کہنا ان کے ساتھ ناانصافی ہے، اور ایک بے دلیل قسم کا دعویٰ ہے۔ اسی طرح امام حاکم کو تفضیلی شیعہ یا تھوڑے تشیع والا قرار دینے کی بھی دلائل سے تائید نہیں ہوتی، بلکہ متعدد براہین اور قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ اہلِ سنت میں سے تھے۔

ملحوظہ: یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اس تحریر سے ہمارا مقصد امام حاکم پر تشیع کے الزام کا جائزہ لینا، اور ان کے شیعہ ہونے کی دلائل سے نفی کرنا ہے۔ تاہم امام حاکم سے تساہل یا تشدّد وغیرہ الزامات کی نفی کرنا مقصود نہیں۔

حواشی وحوالہ جات

(۱) تهذيب التهذيب لابن حجر، (1/94)، ترجمة: أبان بن تغلب، رقم: 166، الناشر: دائرة المعارف النظامية- الهند

(۲) سير أعلام النبلاء للذهبي، (7/57)، ترجمة؛ الحسن بن صالح الهمداني، رقم: 1135، الناشر: دار الحديث – القاهرة، ط: 1427هـ- 2006م

(۳) ثمرات النظر في علم الأثر للأمير الصنعاني، (ص: 33)، الناشر: دار العاصمة- الرياض، ط: 1417هـ- 1996م

(۴) الرواة الثقات المتكلم فيهم بما لا يوجب ردهم للذهبي، (ص: 31)، الناشر: دار البشائر- بيروت، ط: 1412هـ- 1992م

(۵) مناقب الشافعي للبيهقي، (1/451)، الناشر: دار التراث، القاهرة

(۶) تهذيب التهذيب لابن حجر، (9/29)، حرف الميم، الناشر: دار الفكر، بيروت

(۷) سير أعلام النبلاء للذهبي، (12/416)، رقم الترجمة: 3538

(۸) طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، (3/132)، ترجمة ابن حبان البستي، الناشر: هجر للطباعة والنشر، ط: 1413هـ

(۹) لسان الميزان لابن حجر، (1/212)، الناشر: دار البشائر- بيروت، ط: 2002م

(۱۰) قاعدة في الجرح والتعديل للسبكي، (ص: 35)، الناشر: دار البشائر- بيروت، ط: 1410هـ- 1990م

(۱۱) توضيح الأفكار للأمير الصنعاني، (2/96)، مسألة في بيان من تقبل روايته ومن ترد روايته، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت

(۱۲) ميزان الاعتدال للذهبي، (1/136)، ترجمة أبي نعيم الأصبهاني، رقم: 402، الناشر: مؤسسة الرسالة العلمية- دمشق، ط: 1430هـ -2009م

(۱۳) ثمرات النظر في علم الاثر للأمير الصنعاني، (ص: 129)، الناشر: دار العاصمة- الرياض، ط: 1417هـ- 1996م

(۱۴) تذكرة الحفاظ للذهبي، (3/165)، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: 1419هـ- 1998م

---

(١٥) سير أعلام النبلاء للذهبي، (12/576)، رقم الترجمة: 3725

(١٦) ميزان الاعتدال للذهبي، (3/608)، رقم الترجمة: 7804، الناشر: دار المعرفة، بيروت

(١٧) تذكرة الحفاظ للذهبي، (3/166)

(١٨) تاريخ الإسلام للذهبي، (10/491)، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط: 2003م

(١٩) طبقات الحفاظ للسيوطي، (ص: 440)، رقم الترجمة: 993، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت

(٢٠) سير أعلام النبلاء للذهبي، (14/38)، رقم الترجمة: 4354

(٢١) غاية النهاية في طبقات القراء لابن الجزري، (2/185)، الناشر: مكتبة ابن تيمية/ وسير أعلام النبلاء للذهبي، (12/571)، رقم الترجمة؛ 3725

(٢٢) تبيين كذب الفتري فيما نسب إلى الأشعري لا بن عساكر، (ص: 227)، ذكر بعض الطبقة الثانية، الناشر: دار الكتاب العربي- بيروت، ط: 1404ھ

(٢٣) طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، (4/162)

(٢٤) سير أعلام النبلاء للذهبي، (13/157)، ترجمة أبي نعيم الأصبهاني، رقم: 3932

(٢٥) طبقات الحنابلة لابن أبي يعلى، (2/247)، رقم الترجمة: 684، الناشر: دار المعرفة، بيروت

(٢٦) تذكرة الحفاظ للذهبي، (3/165)

(٢٧) سير أعلام النبلاء للذهبي، (12/572)، رقم الترجمة: 3725

(٢٨) لسان الميزان لابن حجر، (7/214)، ترجمة محمد بن طاهر المقدسي، رقم: 6938

(٢٩) ميزان الاعتدال للذهبي، (3/587)، ترجمة محمد بن طاهر المقدسي، رقم: 7710، الناشر: دار المعرفة، بيروت

(٣٠) معجم الأدباء للحموي، (4/1837)، ترجمة علي بن فضال، رقم: 797، الناشر:

دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط: 1414هـ- 1993م

(٣١) طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، (4/163)، ترجمة الإمام الحاكم محمد بن عبد الله، رقم: 329

(٣٢) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي، (3/509)، رقم الترجمة: 1044، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط: 1422هـ- 2002م

(٣٣) سير أعلام النبلاء للذهبي، (12/572)، رقم الترجمة: 3725

(٣٤) طبقات الشافعية للإسنوي، (1/195)، رقم الترجمة: 365، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: 2002م

(٣٥) تاريخ بغداد للخطيب البغدادي، (3/509)، رقم الترجمة: 1044

(٣٦) المستدرك على الصحيحين للحاكم، (3/141)، كتاب معرفة الصحابة، مناقب أمير المؤمنين علي بن أبي طالب، رقم الحديث: 4650، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: 1411هـ- 1990م

(٣٧) المستدرك على الصحيحين للحاكم، (3/119)، رقم الحديث: 4578

(٣٨) سنن الترمذي، (6/81)، أبواب المناقب، باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم الحديث: 3721، الناشر: دار الغرب الإسلامي- بيروت، ط: 1998م

(٣٩) السنن الكبرى للنسائي، (7/410)، كتاب الخصائص، ذكر منزلة علي بن أبي طالب، رقم الحديث: 8341، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط: 1421هـ- 2001م

(٤٠) مسند أحمد، (2/71)، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه، رقم الحديث: 641، الناشر: مؤسسة الرسالة- بيروت، ط: 1421هـ- 2001م

(٤١) طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، (4/170)، رقم الترجمة: 329

(٤٢) تذكرة الحفاظ للذهبي، (3/164)، ترجمة الإمام الحاكم، رقم: 962، الناشر: دار الكتب العلمية- بيروت، ط: 1419هـ- 1998م

(٤٣) تذكرة الحفاظ للذهبي، (3/166)، رقم الترجمة: 962

(٤٤) المستدرك على الصحيحين للحاكم، (2/528)، تفسير سورة الممتحنة، رقم الحديث: 3805

(٤٥) المستدرك على الصحيحين للحاكم، (3/103)، كتاب معرفه الصحابة، فضائل

أمير المؤمنين ذي النورين عثمان بن عفان رضي الله عنه، رقم: 4533

(۴۶) المستدرك على الصحيحين للحاكم، (3/93)، رقم الحديث: 4501

(۴۷) المستدرك على الصحيحين للحاكم، (3/104)، رقم الحديث: 4536

(۴۸) انظر! مناقب حواری رسول اللہ صلى الله عليه وسلم، وابن عمته الزبير بن العوام، ومناقب طلحة بن عبيد الله، ومناقب عمرو بن العاض رضي الله عنهم من المستدرك على الصحيحين للحاكم.

(۴۹) تاريخ الإسلام للذهبي، (5/169)، حرف الميم، ترجمة الإمام الشافعي، رقم: 313

ضروری اعلان

مجلّہ راہِ ہدایت دسمبر ۲۰۲۵ء کا شمارہ ان شاء اللہ مسئلہ تقلید پر خصوصی نمبر کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ علماء کرام سے درخواست ہے کہ مسئلہ تقلید پر اپنے گراں قدر مضامین اشاعت کے لئے ہمیں ارسال فرمائیں۔

عنوانات

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، تقلید کا ثبوت آیات قرآنیہ سے، تقلید کا ثبوت احادیث مبارکہ سے، تقلید کا ثبوت اجماع امت سے، تقلید کا ثبوت اقوال صحابہ سے، تقلید کا ثبوت علماء کرام سے، تقلید کا ثبوت غیر مقلدین سے، تقلید پر اعتراضات کے جوابات، ترکِ تقلید کے نقصانات، مشہور محدثین کا فقہی مذہب، مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا، مولانا وحید الزمان صاحب غیر مقلد تھا، وغیرہ

مضامین بھیجنے کا طریقہ کار

اپنے مضامین ان پیج فائل، ورڈ فائل یا ٹیکسٹ پیغام کی صورت میں درج ذیل نمبر پر ارسال فرمائیں۔

03428970409

مولانا معاویہ حسینی صاحب حفظہ اللہ

حدیث عمار پر شبہات کا رد

حال ہی میں حضرت مولانا مفتی عبد الواحد قریشی صاحب کی ایک ویڈیو دیکھی جس میں وہ "حدیث عمار" پر طلباء کرام کو درس دے رہے تھے اور اس حدیث کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انجینئر علی مرزا جہلمی اور اس قماش کے دیگر لوگ جو اعتراض کرتے ہیں اور اس حدیث کو غلط معنی پہنا کر جو توہین و تنقیص کرتے ہیں ان کا جواب دے رہے تھے، یہ گفتگو ایک گھنٹے سے کچھ اوپر ہے جس میں مفتی صاحب نے "حدیث عمار" پر دو حصوں میں گفتگو کی ہے، پہلے حصے میں جو گفتگو کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> "اس حدیث میں جو "تقتله الفئة الباغية" کے الفاظ ہیں وہ امام بخاری نے "صحیح بخاری" میں نہیں لکھے کیونکہ یہ بخاری کے پرانے نسخوں میں موجود نہیں ہیں یہ الفاظ بعد میں متن کا حصہ بن گئے ورنہ اصل حدیث صرف اتنی ہے "ويح عمار يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار" اور اس حدیث کا تعلق قریش مکہ سے ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ پر قریش کی طرف سے ڈھائے گئے ظلم کے تناظر میں فرمایا کہ: "عمار ان کفار کو جنت کی طرف بلا رہے تھے اور کفار انہیں جہنم کی طرف بلا رہے تھے"

مفتی صاحب نے اس بات کی دلیل کے طور پر کہ امام بخاری نے "تقتله الفئة الباغية" کے الفاظ نہیں لکھے بخاری شریف کے مختلف پرانے نسخوں کا حوالہ دیا اور آخر میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ دیا ہے جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ امام بخاری نے یہ الفاظ نہیں لکھے اور یہ الفاظ اس حدیث میں "مدرج" ہیں، مفتی صاحب نے اپنی گفتگو کے اس پہلے حصے میں دو باتیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے:

1) امام بخاری رحمہ اللہ نے "تقتله الفئة الباغية" کے الفاظ نہیں لکھے۔

2) حدیث "تقتله الفئة الباغية" ضعیف ہے، کیونکہ مفتی صاحب نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے اسے مدرج کہہ کر یہی باور کرانے کی کوشش کی ہے جیسا کہ ویڈیو میں ان کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

حدیث عمار کی تنقیح

یہاں پر ہم مفتی صاحب کی بات پر تبصرہ کرنے سے پہلے "حدیث عمار" کی مختصر تنقیح کرنا چاہتے ہیں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو، دراصل بات یہ ہے کہ بخاری شریف میں جو "حدیث عمار" ہے اس کے دو جزء ہیں:

1)تقتله الفئة الباغية

2)يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار

بخاری شریف کی حدیث میں اگرچہ یہ دونوں جملے ایک ہی حدیث کے اندر ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی حدیث ہے لیکن دراصل یہ دو الگ الگ حدیثیں ہیں پہلی حدیث کا تعلق "مشاجرات صحابہ" سے ہے اور دوسری حدیث کا تعلق "کفار قریش" کے ساتھ ہے جیساکہ محققین نے اس کی تصریح کی ہے، لہذا صحیح بات یہی ہے کہ بخاری کے بعد کے نسخوں میں یہ دونوں حدیثیں خلط ملط ہو گئیں کیونکہ بخاری کے جو پرانے شراح ہیں انہوں نے اپنی شروحات میں صرف "يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار" جملہ کی تشریح کی ہے کیونکہ ان کے سامنے بخاری کے جو نسخے تھے اس میں "تقتله الفئة الباغية" کا جملہ نہیں تھا چنانچہ آپ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کی شرح بخاری دیکھ سکتے ہیں وہاں پر یہ جملہ نہیں ہے، اسی طرح "فتح الباری" کے اندر بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے کہ امام بخاری نے اس جملے کو حذف کر دیا تھا، اسی طرح علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے "يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار" کی جو تشریح کی ہے اس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جملہ "يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار" کا تعلق "تقتله الفئة الباغية" سے نہیں ہے چنانچہ حضرت کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"وأما قوله "يدعوهم إلى الجنة" فأستئناف لحاله مع المشركين و قريش العرب وأشارة إلى المصائب التي أتت عليه من جهة قريش وتعذيبهم وإلجائهم إياه على أن يكفر بربه فأبى إلا أن يقول الله أحد"

("فيض الباري"،جلد: 2، ص: 72،دارالكتب العلمية،بيروت)

اس عبارت کا خلاصہ یہ کہ حدیث کا جملہ "يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار"، علیحدہ جملہ ہے اور یہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی اس حالت کو بیان کر رہا ہے جو قریش مکہ اور مشرکین کے ساتھ تھی کہ وہ

لوگ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو تکالیف دیتے تھے اور انہیں کفر کرنے پر مجبور کرتے تھے مگر حضرت عمار رضی اللہ عنہ اللہ کی وحدانیت بیان کرتے تھے، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "یقتلہ الفئۃ الباغیۃ" جملے کو بخاری شریف میں نقل نہیں کیا، یہ بعد میں کسی وجہ سے متن کا حصہ بن گیا۔

مگر سوال یہاں پر یہ ہے کہ کیا اس بنیاد پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے "تقتله الفئة الباغية" کے جو الفاظ آتے ہیں جو کہ دراصل ایک مستقل حدیث ہے، کیا ضعیف ہو جاتے ہے جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے باور کرانے کی کوشش کی ہے اور جس پر بطور دلیل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حوالہ بھی دیا، تو اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ اولاَ تو یہ اصول ہی غلط ہے کہ جس حدیث کو امام بخاری نے نہ لکھا ہو یا لکھ کر کسی وجہ سے مٹا دیا ہو وہ حدیث ضعیف ہوتی ہے کیونکہ بے شمار صحیح احادیث ایسی ہیں کہ انہیں امام بخاری نے نہیں لکھا لیکن امام بخاری کے نہ لکھنے کی وجہ سے کوئی بھی ان احادیث کو ضعیف نہیں کہتا، بعینہ یہ معاملہ "تقتله الفئة الباغية" کے ساتھ ہے کہ اگرچہ محققین کے مطابق امام بخاری نے اسے حذف کر دیا لیکن یہ حدیث متعدد طرق کے ساتھ مختلف کتب حدیث میں نقل ہوئی ہے اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق اس کے اکثر طرق "صحیح" اور "حسن" ہیں چنانچہ وہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے واضح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:

"روى حديث "تقتل عمارا الفئة الباغية" جماعة من الصحابة: منهم قتادة بن نعمان كما تقدم و أم سلمة عند مسلم، أبوهريرة عندالترمذي وعبدالله بن عمرو بن العاص عندالنسائی،وعثمان بن عفان وحذيفة وأابو ايوب و أبو رافع و خزيمة بن ثابت ومعاوية و عمرو بن العاص و أبواليسر وعمار نفسه و كلها عندالطبرانی وغيره وغالب طرقها صحيحة أو حسنة"

("فتح الباري" جلد: 1،ص: 543،دارالمعرفة،بيروت)

اسی طرح علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بھی لکھتے ہیں کہ "تقتله الفئة الباغية" قوی طرق سے ثابت ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"وأجاب عنه الحافظ رحمه الله تعالى بنحو آخر وقال أن هذه الزيادة لم يذكرها الحميدي في الجمع، وقال إن البخاري لم يذكرها اصلا ثم ذكر ما ظهر له وجه حذف هذه القطعة، قلت: فإن لم تكن تلك الزيادة ثابتة في هذا الطريق فإنها ثابتة فی الخارج بطرق قوية"

("فيض الباري"،جلد: 1،ص: 72،دارالکتب العلمیة،بیروت)

اس ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ "تقتله الفئة الباغية" ایک مستقل حدیث ہے اور متعدد طرق سے ثابت ہے اور "صحیح" اور "حسن" ہے لہذا اس سے احتجاج کرنا بالکل درست ہے اور جمہور محدثین نے اس حدیث کو تسلیم کیا ہے لہذا حضرت مفتی صاحب کا اس کو ضعیف باور کروانا بالکل غلط ہے۔

اب ہم مفتی صاحب کی گفتگو کے دوسرے حصے پر گفتگو کرتے ہیں جس میں انہوں نے "تقتله الفئة الباغية" کے مصداق کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور جمہور محققین کے برخلاف اس حدیث کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین اور خوارج کو قرار دیا ہے جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔

"تقتله الفئة الباغية" کے مصداق کے بارے میں جمہور محدثین کا فیصلہ یہ ہے کہ "فئة باغية" سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت ہے اور اس حدیث اور اس کے علاوہ دیگر دلائل کی بنیاد پر اہل السنت والجماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ "مشاجرات صحابہ" کے مسئلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر مقابلے میں آنے والے صحابہ کرام خطائے اجتہادی پر تھے لیکن اس بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آنے والے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر طعن و تشنیع کرنے والا ملعون ہے کیونکہ یہ حضرات عند اللہ ماجور و مغفور ہیں، اب آتے ہیں مفتی صاحب کی تشریح کی طرف تو حضرت مفتی صاحب نے اپنی گفتگو کے دوسرے حصے میں جو باتیں کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"اس حدیث کے اٹھائیس طرق ہیں اور ان طرق میں سے کوئی بھی طریق درست نہیں ہے، اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو تمام طرق کو ملانے سے "فئة باغية" کی دس نشانیاں معلوم ہوتی ہیں اور ان میں سے ایک نشانی بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت میں نہیں پائی جاتی، لہذا اس بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو "فئة باغية" کا مصداق نہیں کہا جا سکتا"

حضرت مفتی صاحب نے جو پہلی بات یہ کہی کہ اس حدیث کے اٹھائیس طرق میں سے کوئی بھی طریق صحیح نہیں ہے تو اس پر مفتی صاحب نے بطور دلیل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "التلخیص الجبیر" کا درج ذیل حوالہ پیش کیا:

"نقل عن ابن الجوزي: عن الخلال في "العلل" أنه حكى من احمد أنه قال: قد روي هذا الحديث من ثمانية وعشرين طريقا ليس فيها طريق صحيح"

("التلخیص الجبیر"، ص:2703، دار أضواء السلف، ریاض)

اس پر عرض ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے یہ حوالہ ایسے پیش کیا ہے کہ جیسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کا کوئی طریق صحیح نہ ہو حالانکہ حافظ رحمہ اللہ کی عبارت سے بالکل صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حافظ رحمہ اللہ یہاں پر اپنا نظریہ بیان نہیں کر رہے بلکہ ابن جوزی رحمہ اللہ کے حوالے سے امام احمد رحمہ اللہ کی رائے اس حوالے سے نقل کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حافظ رحمہ اللہ نے جہاں اس حدیث کے حوالے سے ضعیف ہونے کی بات نقل کی ہے وہیں اس سے پہلے علامہ ابن عبد البر اور ابن دحیۃ رحمہما اللہ کے حوالے سے اس حدیث کی تصحیح بلکہ تواتر نقل کیا ہے نہ جانے حضرت مفتی صاحب نے یہ بات کیوں نقل نہیں کی خیر! ہم نقل کر دیتے ہیں چنانچہ حافظ رحمہ اللہ "التلخیص الجبیر" میں اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ:

"وقال ابن عبدالبر تواترت الأخبار بذلك وهو من أصح الحديث وقال ابن دحية لامطعن في صحته ولو كان غير صحيح لرده معاوية وأنكره"

("التلخیص الجبیر"، ص:2703، دار أضواء السلف، ریاض)

علامہ ابن عبد البر اور ابن دحیۃ رحمہما اللہ کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث (تقتله الفئة الباغية) کے بارے میں احادیث متواتر ہے اور یہ حدیث اصح ہے جو کہ صحیح سے اوپر ہوتی ہے یعنی اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے اگر اس کی صحت میں شبہ ہوتا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس کا انکار کرتے لیکن انہوں نے بھی اس کا انکار نہیں کیا، یہ تو "التلخیص الحبیر" کے حوالے کی وضاحت ہوگئی باقی جہاں تک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی "تقتله الفئة الباغية" کے بارے میں رائے کا تعلق ہے تو وہ ہم نے شروع میں نقل کر دی ہے کہ حافظ رحمہ اللہ کے نزدیک اس حدیث کے اکثر طرق صحیح اور حسن ہیں جس سے معلوم ہو جاتا ہے حافظ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور قابل احتجاج ہے، باقی جہاں تک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں اس حدیث کی تضعیف کا جو تعلق ہے جس پر مفتی صاحب نے "السنة للخلال" کا درج ذیل حوالہ نقل کیا ہے:

"سمعت في حلقة أحمد بن حنبل ويحيى بن معين وأبي خيثمة والمعيطي ذكروا "يقتل عمارا الفئة الباغية" فقالوا: مافيه حديث صحيح"

("السنة للخلال"، ص:376، دارالاوراق الثقافية، السعودية)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل، یحیی بن معین، ابو خیثمة اور اور امام معیطی کے حلقہ درس میں سنا کہ حدیث عمار (يقتل عمارا الفئة الباغية) کا ذکر ہوا تو ان سب حضرات نے کہا کہ اس حوالے سے کوئی بھی حدیث صحیح نہیں ہے، تو اس پر عرض یہ ہے کہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق امام احمد بن حنبل نے اگرچہ شروع میں اس حدیث کی تضعیف کی تھی لیکن آخر میں وہ اس کی تصحیح کے قائل ہو گئے تھے چنانچہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"والحديث ثابت فى الصحيحين وقد صححه أحمد بن حنبل وغيره من الائمة و إن كا قد روي عنه أنه ضعفه فأخر الأمرين منه تصحيحه"

("منهاج السنة"، جلد:4، ص:414، جامعة الامام محمد بن سعود)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث عمار (تقتله الفئة الباغية) صحیحین میں ثابت ہے اور امام احمد

اور دیگر ائمہ نے اس کی تصحیح کی ہے، اگرچہ امام احمد سے اس کی تصحیح کے خلاف تضعیف بھی منقول ہے لیکن آخر میں پھر وہ اس کی صحت کے قائل ہو گئے تھے، یہ تو ہو گیا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حوالے سے جواب، باقی جہاں تک "ابن سمیہ" کی روایت میں باقی تین ائمہ کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے ان تک اس حدیث کی صحیح سند نہ پہنچی ورنہ واقع اور نفس الامر کے اعتبار سے اس حدیث کے اکثر طرق صحیح یا حسن ہیں جیسا کہ ہم پہلے حافظ ابن حجر اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حوالے نقل کر آئے ہیں۔

یہاں تک حدیث کی تصحیح اور تضعیف کی بات ہو گئی اب آتے ہیں مفتی صاحب کی اس بات پر کہ اٹھائیس طرق ملانے سے "فئة باغية" کی دس نشانیاں معلوم ہوتی ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت میں نہیں پائی جاتیں بلکہ "قاتلین عثمان" اور خوارج میں پائی جاتی ہیں، ان میں سے سب سے پہلی نشانی بیان کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے "العقد الفريد" کا حوالہ دیتے ہوئے یہ روایت بیان کی جو درج ذیل ہے:

"يا إبن سمية لاتقتلك أصحابي ولكن تقتلك الفئة الباغية"

("العقد الفريد"، جلد:5، ص:90، دار الكتب العلمية بيروت)

اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ: "اے سمیہ کے بیٹے! تجھے میرا کوئی صحابی قتل نہیں کرے بلکہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا"، اس روایت سے معلوم ہوا کہ "تقتله الفئة الباغية" کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ ان حضرات کی صحابیت متفق علیہ ہے، اس پر عرض ہے کہ یہ روایت علامہ سمہودی رحمہ اللہ نے بھی "وفاء الوفا" میں نقل کی ہے اور جن روایات میں "لاتقتلك أصحابي" کا اضافہ آیا ہے ان میں ایک کذاب اور حدیث گھڑنے والا راوی موجود ہے اور جن صحیح طرق سے حدیث عمار منقول ہے ان میں یہ اضافہ نہیں ہے چنانچہ دار العلوم کراچی کے ایک فتویٰ میں "وفاء الوفا" کی روایت کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"صورت مسئولہ میں مذکورہ جملہ "لاتقتلك أصحابي" یہ جملہ صحیح احادیث میں موجود نہیں ہے بلکہ یہ روایت صرف محمد بن الحسن بن زبالة سے مروی ہے اور اس راوی کو حضرات محدثین رحمہم اللہ نے کذاب اور حدیث گھڑنے والا کہا ہے لہٰذا مذکورہ اضافہ صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے"

("فتوی جامعہ دار العلوم کراچی"، نمبر:30/2593)

معلوم ہوا کہ "لاتقتلك أصحابي" کے اضافے والی روایت قابل استدلال نہیں ہے لہذا اس بنیاد پر جمہور علماء نے حدیث عمار کا مصداق جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو بنایا ہے اس روایت سے اس پر کوئی فرق نہیں آتا، مفتی صاحب نے دوسری نشانی یہ بیان فرمائی کہ حدیث کے الفاظ میں "الفئۃ الباغیۃ" ہے جو حال پر دلالت کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے وہ گروہ پہلے سے باغی ہو گا حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے بعد باغی نہیں بنے گا اور پہلے سے جو باغی گروہ تھا وہ "قاتلین عثمان" تھے لہذا اس وجہ سے اس حدیث کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کا گروہ نہیں ہو سکتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب سے گزارش ہے کہ آنجناب نے یہ جو نیا قیاسی معنی بیان کیا ہے جمہور محدثین نے آخر کیوں بیان نہیں کیا؟، انہوں نے تو اس کے باوجود بھی اس حدیث کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ٹھہرایا ہے آخر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے اس قیاسی بحث کو اس حدیث کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو ٹھہرانے سے مانع نہیں سمجھا؟، ہم آپ کو بتادیتے ہیں دراصل ان محدثین و علماء کے سامنے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا عمل تھا کہ انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے خلاف ریاستی طاقت استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا جو اس بات کی دلیل تھی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں شہادت عمار سے پہلے ہی "باغی" ہو چکی تھی تبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کے خلاف تلوار اٹھائی، اگر یہ بات نہیں تھی تو پھر آپ مجھے بتائیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کس شرعی دلیل کی بنیاد پر اور اہل شام کو کیا سمجھ کر ان پر تلوار اٹھائی؟، لہذا آپ کی اس قیاسی بحث کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو "الفئة الباغية" جس حال پر دلالت کر رہا ہے وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت پر بھی صادق آرہا ہے لہذا آپ کا یہ شبہ بھی باطل ہے۔

حضرت مفتی صاحب نے تیسری نشانی یہ بیان فرمائی کہ "فئة" چھوٹی جماعت کو کہتے ہیں جبکہ بخاری کی اس حدیث میں جس میں حضرت حسن و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کا ذکر ہے اس میں "فئتين عظيمتين" کے الفاظ آئے ہیں لہذا "الفئة الباغية" کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کو نہیں ٹھہرا سکتے ورنہ بخاری کی صلح والی حدیث سے تعارض لازم آئے گا، اس پر عرض یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے

اپنی اس بات کی کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی لیکن ہم پھر بھی مفتی صاحب کے اس شبہ کا جواب دے دیتے تو سنیں! آپ کا یہ کہنا کہ "فئة" کا اطلاق چھوٹی جماعت پر ہی ہوتا ہے بالکل باطل اور غلط ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید نے "فئة" کا اطلاق بڑی جماعت پر بھی کیا ہے چنانچہ سورہ آل عمران میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (13)

یہ آیت غزوہ بدر کے متعلق ہے اور اس میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں اور کفار دونوں کی جماعت کا ذکر "فئتین" کے لفظ سے کیا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ غزوہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی جو کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کافی بڑی جماعت تھی لہذا یہ شبہ بالکل باطل ہوا کہ "فئة" کا اطلاق چھوٹی جماعت پر ہی ہوتا ہے اور صلح والی حدیث کا "الفئة الباغية" والی حدیث سے تعارض بھی ختم ہو گیا اور جمہور کے مسلک پر ہونے والا شبہ بھی ختم ہو گیا۔

مفتی صاحب نے چھوتھی نشانی یہ بیان فرمائی کہ روایت کے ایک طرق میں ہے کہ "يدعوهم إلى الجنة ويدعونه النار" جس سے پتا چلتا ہے کہ قاتل عمار "داعی الی النار" ہو گا جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث میں یہ پیشن گوئی موجود ہے کہ جس میں ہے کہ حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی دعوت ایک ہو گی (حدیث میں "دعواهما واحدة" کے الفاظ ہیں) لہذا "الفئة الباغية" کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت نہیں ہو سکتی، اس پر عرض یہ ہے کہ ہم بالکل ابتداء میں یہ بات عرض چکے ہیں کہ بخاری کی حدیث میں "تقتله الفئة الباغية" کے ساتھ جو "يدعوهم إلى الجنة اور يدعونه إلى النار" کے الفاظ آئے ہیں ان الفاظ کا "الفئة الباغية" سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ کفار قریش کے بارے میں ہیں جیسا کہ اسی ویڈیو میں مفتی صاحب نے علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کے حوالے سے اس کی تصریح کی ہے اور ہم بھی پہلے علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کر آئے ہیں لہذا حضرت مفتی صاحب کا ان الفاظ کو "الفئة الباغية" سے متعلق قرار دینا تحقیقی طور درست نہیں ہے، یہاں پر یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اگر ان الفاظ کو "الفئة الباغية" سے بھی متعلق

قرار دیا جائے تو بھی علماء نے اس کی مختلف توجیہات و تاویلات ذکر کی ہیں جس سے الحمد للہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت سے "داعی إلی النار" ہونے کا اعتراض مرتفع ہو جاتا ہے اور جمہور اہل السنت والجماعت کے مسلک پر کوئی فرق بھی نہیں آتا تاہم یہاں پر ایک حوالہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا نقل کر دیتے ہیں جو اگرچہ طویل ہے لیکن فائدے سے خالی نہیں ہے چنانچہ حضرت شیخ الاسلام صاحب لکھتے ہیں کہ:

"چوتھی بات یہ ہے کہ اگر بالفرض اس نسخہ کو تسلیم کر لیا جائے جس نسخہ میں یہ جملہ یہاں موجود ہے اور اس کو "فئة باغية" سے بھی متعلق قرار دیا جائے جیسا کہ ظاہراً نظر آرہا ہے تو صورتحال یہ ہے کہ جنت کنایہ ہے "حق" سے اور نار کنایہ ہے "باطل" سے کیونکہ حق کا اصل تقاضا یہ ہے کہ وہ جنت تک لے جانے والا ہو اور باطل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ نار تک لے جانے والا، لیکن حق کا موجب جنت ہونا اور باطل کا موجب نار ہونا، یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ:

"من قال لااله الا الله دخل الجنة"

"لا اله الا الله" کا تقاضا ہے کہ جنت کا موجب ہو لیکن اس کے جنت کے موجب ہونے کیلئے کیا شرط ہے؟، موانع مرتفع ہوں اور موانع کیا ہیں کہ معصیتوں کا ارتکاب نہ ہو، اگر معصیتوں کا ارتکاب بھی ہو تو "لا اله الا الله" موجب جنت ہونے کے باوجود جنت تک نہیں لے جا سکتا، جنت میں دخول اولی نہیں ہو سکتا، مثلاً فرمایا:

"الراشي والمرتشي كلاهما في النار"

کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں نار میں ہیں تو اس کا تقاضا ہے کہ دونوں فوراً جہنم میں جائیں لیکن یہ جہنم میں جانا ارتفاع موانع پر موقوف ہے، اور مانع کیا ہے؟ کہ توبہ کر لی اور حق جو ہے وہ حق دار کو دے دیا یا اللہ نے مغفرت فرمادی ورنہ ہر گناہ موجب نار ہوتا ہے شرط یہ ہے کہ موانع نہ ہوں، تو ہر باطل موجب نار ہے تو یہاں جو حضرات اجتہادی غلطی میں مبتلا تھے تو اس اجتہادی غلطی میں مبتلا ہونے کا معنی کیا ہے کہ ان کا مؤقف حق نہیں تھا، باطل تھا تو باطل، باطل

ہونے کی حیثیت سے موجب نار تھا اگر چہ مانع کی وجہ سے ان کے حق میں موجب نار نہ ہوا، اور وہ مانع کیا ہے ؟، ان کا "اجتہاد" کہ انہوں نے اجتہاد کیا اور یہ مؤقف اختیار کیا تھا اگر چہ باطل تھا اور باطل ہونے کی حیثیت سے موجب نار تھا لیکن چونکہ انہوں نے اجتہاد کی وجہ سے حاصل کیا ہوا تھا اس لئے ان کے حق میں موجب نار نہ ہوا، لیکن جو شخص اپنے اجتہاد سے اس کو باطل ہی سمجھتا ہے اس کے حق میں اب بھی موجب نار ہے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے جو مؤقف اختیار تھا وہ باطل ہونے کی وجہ سے اصلاً موجب نار تھا، بغاوت موجب نار ہے مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مانع پیش آگیا اور وہ ان کا اجتہاد ہے، لہذا ان کے حق میں ان شاء اللہ موجب نار نہیں ہو گا، لیکن جو لوگ ان کے موقف کے قائل نہیں اور ان کے اجتہاد کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد کا درست نہیں جیسا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ، ان کے حق میں وہ کیا مؤقف ہے ؟، ان کے حق میں وہ مؤقف نار ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ ان کو بلا رہے تھے ایک ایسے مؤقف کی طرف جو عمار رضی اللہ عنہ کیلئے نار ہو تا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اگر اس مؤقف کو اس حالت میں قبول کر لیتے جبکہ وہ خود اپنے اجتہاد سے اس کے قائل نہیں تھے تو جہنمی ہوتے اور نار میں چلے جاتے "یدعوھم الی النار" کا یہ معنی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لینا چاہیے کہ کتا کھانا ہمارے نزدیک حرام ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حرام نہیں ہے تو کتا کھانا موجب جنت ہے یا موجب جہنم ہے ؟، موجب جہنم ہو گا کیونکہ حرام کہا ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے اجتہاد سے اس کو حلال کہا، تم بھی اس اجتہاد کے قائل ہو یا نہیں ؟، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ اجتہاد کی بناء پر کتے کو حلال کہہ رہے ہیں لہذا اگر چہ کتا کھانا نفس الامر میں حرام ہوا اور موجب نار ہوا لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے حق میں اسلئے نہیں کہ انہوں نے اپنے اجتہاد سے یہ بات فرمائی ہے، ان کا استدلال قرآن کریم کی آیت ہے:

"قل لااجد فیما أوحی الی محرما علی...الخ"

اس آیت سے استدلال کر کے انہوں نے کتے کو حلال کہا، لیکن تم اگر کتے کو حرام سمجھنے کے باوجود کوئی مالکی آپ سے کہے بھائی کتا کھاؤ اور آپ کتا کھائیں تو آپ باوجود اس کو حرام سمجھنے

کے اگر کتا کھائیں گے تو یہ موجب نار ہو جائے گا تو وہاں یہ کہنا درست ہو جائے گا کہ وہ مالکی جو ہے وہ اس کو آگ کی طرف بلا رہا ہے، اس کے حق میں تو آگ نہیں لیکن جس کو وہ بلا رہا ہے اس کے حق میں آگ ہے اس واسطے کہ اس کا اجتہاد اس کی اجازت نہیں دیتا۔

لہذا یہ جملہ اگر اپنی جگہ ہو بھی اور اس کا تعلق "فئة باغية" سے ہو، تب بھی اس سے یہ مطلب نکالنا درست نہیں کہ العیاذ باللہ حضرت معاویہ اور ان کے رفقاء جہنمی تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ عمل فی نفسہ باطل ہونے کی وجہ سے موجب نار تھا، تو جناب یہ اس ساری بحث کا خلاصہ ہے۔"

("انعام الباری"، جلد:3، ص:196 تا 198)

حضرت مفتی صاحب نے پانچویں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں نشانیاں درج ذیل بیان فرمائیں کہ روایات میں آتا ہے کہ:

* قاتل عمار دوزخی ہو گا (قاتله وسالبه فی النار)
* قاتل عمار شقی ہوں گے
* قاتل عمار شریر ہوں گے
* قاتل عمار فاجر ہوں گے

حضرت مفتی صاحب نے ان روایات کا کوئی حوالہ بیان نہیں فرمایا کہ انہوں نے یہ روایات کہاں سے نقل کی ہیں لیکن خیر! ہم پہلے روایات کو نقل کر دیتے ہیں پھر ان پر ان شاء اللہ تبصرہ بھی کر دیں گے یہ روایات "تاریخ دمشق" میں امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں، ان کے الفاظ درج ذیل ہیں:

1)"مالهم ولعمار؟، يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار، قاتله و سالبه في النار"

2)"رآهم رسول الله صلى الله عليه وسلم وهم يحملون الحجارة على عمار وهو يبني المسجد قال: مالهم ولعمار يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار، وذلك فعل الأشقياء الاشرار"

====

3) "رأى النبى صلى الله عليه وسلم عمارا وهو يحمل الحجارة المسجد فقال: مالهم ولعمار؟، يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار وذلك دأب الأشقياء الفجار"

("تاريخ مدينة دمشق"، جلد:43، ص:402، دار الفکر)

مندرجہ بالا تین روایات میں سے پہلی روایت میں "قاتل عمار" کو "فی النار" اور دوسری روایت میں "شقی" و "شریر" اور تیسری روایت میں "فاجر" قرار دیا ہے، اب یہاں پر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان تین روایتوں کے اندر جہاں "قاتل عمار" کی مذموم صفات بیان کی گئی ہیں وہاں روایات کے اندر "يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار" کے الفاظ بھی ساتھ ساتھ ہیں اور ہم پہلے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اس جملے کا تعلق قریش مکہ کے ساتھ ہے اور "الفئة الباغية" کے الفاظ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، جب کوئی تعلق نہیں ہے تو ان مذموم صفات کا مصداق "الفئة الباغية" نہیں ہیں جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یا ان کی جماعت پر کوئی اعتراض قائم ہو اور جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک متاثر ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنی اس بات پر کہ (ان مذموم صفات کا تعلق کفار قریش سے ہے) ایک حوالہ پیش کر دیں، چنانچہ محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"عمار بن یاسر کو اسلام کے ابتدائی دور میں کفار کی طرف سے ایذا رسانی کی جاتی تھی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اسلام ترک کرنے پر مجبور اور مقہور کیا جاتا تھا اس کے باوجود آپ توحید اور اسلام پر ثابت قدم رہے، اس ابتدائی اور آزمائشی دور میں بعض دفعہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

"فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لعبت قريش بعمار مالهم ولعمار؟ عمار يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار

"یعنی اس حال میں کہ قوم قریش عمار کے ساتھ ایذا رسانی کرتے ہوئے کھیل بناتے تھے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کیلئے اور عمار کیلئے کیا ہے؟، عمار ان کو جنت کی طرف دعوت دیتا ہے اور یہ لوگ اسے دوزخ کی طرف بلاتے ہیں"

اور بعض جگہ اسی روایت کے آخر میں مزید یہ کلمات بھی پائے جاتے ہیں "وذلك دأب الأشقياء الفجار"

"یعنی یہ فاجر اور شقی لوگوں کا طریقہ ہے جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے"

("سیرت حضرت امیر معاویہ"، ص:476)

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ "في النار" ہونے "شقی" و "شریر" اور "فاجر" ہونے کی تمام مذموم صفات کا تعلق قریش مکہ کے ساتھ ہے "الفئة الباغية" کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اگر مفتی صاحب کو ہمارے اس مؤقف سے اتفاق نہیں ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ کتب احادیث سے کوئی ایسی روایت پیش کریں جس میں "تقتله الفئة الباغية" کے ساتھ مذکورہ بالا صفات کا بھی ذکر ہو لیکن ان شاء اللہ حضرت مفتی صاحب ایسی روایت پیش نہیں کر سکیں گے۔

یہاں پر ایک شبہ کا ازالہ بھی ضروری ہے جس کا حضرت مفتی صاحب نے اپنی ویڈیو میں بھی ذکر کر کے جواب دیا ہے وہ یہ ہے کہ کتابوں میں یہ موجود ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں شہید کیا تھا اور انہوں نے اس کا اقرار بھی کیا تھا تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ معاذ اللہ وہ اس وعید کی زد میں آگئے ہیں تو اس کا ایک جواب تو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ دراصل "قاتله وسالبه في النار" کے الفاظ کا تعلق کفار مکہ سے ہے کہ آپ علیہ السلام نے بطور وعید ان کے حق میں فرمایا تھا کہ اگر کفار مکہ کے ظلم وستم کے نتیجے میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ شہید ہو جاتے ہیں تو ان کا قاتل جہنمی ہو گا، بعد کے دور کے ساتھ ان الفاظ کا تعلق نہیں ہے اور اگر بعد کے دور کے ساتھ تعلق تسلیم بھی کر لیا جائے تو حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی وہی بات کہی جائے گی جو "يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلنار" کے الفاظ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے حق میں توجیہ کرتے ہوئے حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے حوالے سے ہم نقل کر آئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا قتل موجب نار تھا لیکن یہ موجب نار ہونا موانع کے ارتفاع پر موقوف ہے اور یہاں مانع یعنی حضرت ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کا "اجتہاد" اور ان کی "صحابیت" موجود ہے جس کی وجہ ان کے حق میں یہ وعید ساقط ہو جائے گی لہذا اس صورت میں اب کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

حضرت مفتی صاحب نے نویں نشانی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ روایت کے ایک طریق میں "فئة باغية" کے بارے میں "الناكبة عن الحق" کے الفاظ آئے ہیں اور وہ روایت "مجمع الزوائد" میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ موجود ہے:

"عن حذيفة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول،وضرب جنب عمار، قال وإنك لن تموت حتى تقتلك الفئة الباغية الناكبة عن الحق،يكون آخر زادك من الدنيا شربة لبن"

("مجمع الزوائد"، جلد:9، ص:360،دارالكتب العلمية،بيروت)

جس کا مطلب یہ ہے کہ "فئة باغية" حق کے راستے سے ہٹا ہوا ہوگا جبکہ مسلم کی ایک حدیث میں آپ علیہ السلام نے خوارج کے بارے پیشن گوئی کرتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ خوارج سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں سے وہ گروہ قتال کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا اور خوارج سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ نے قتال کیا تھا تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق سے زیادہ قریب نہ سہی لیکن بہرحال "حق" پر ضرور تھے لہذا وہ اور ان کی جماعت "فِئہ باغیہ" کا مصداق نہیں ہو سکتی جس کے بارے میں "الناکبہ عن الحق" کے الفاظ آئے ہیں، اس شبہ کے جواب میں سب سے پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ "مجمع الزوائد" میں جہاں یہ روایت موجود ہے وہیں پر علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس کے ضعف کو بھی بیان کر دیا ہے چنانچہ وہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"وفيه مسلم بن كيسان الأعور، وهو ضعيف"

(ایضاً)

لہذا معلوم ہوا کہ یہ روایت مسلم بن کیسان الاعور راوی کی وجہ سے ضعیف ہے، اور اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہاں پر "الناكبة عن الحق" کے جملے کی تاویل ممکن ہے وہ اس طرح کہ اس جملے میں "حق" کو "صواب" کے معنی پر محمول کر لیا جائے اس صورت میں مفہوم یہ ہو جائے گا کہ "فئة باغية" غلطی اور خطاء پر ہوگا نہ یہ کہ وہ بالکلیہ باطل پر ہوگا جیسا کہ خوارج اور قاتلین عثمان تھے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی شرعی دلیل ہی

نہیں تھی جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت باوجود خطاء پر ہونے کے اپنے پاس دلائل رکھتے تھے تبھی تو اہل سنت انہیں "خطاء اجتہادی" پر مانتے ہیں بہر حال اس توجیہ کی صورت میں "مجمع الزوائد" کی روایت کا تعارض مسلم کی روایت سے ختم ہو جاتا ہے اور اہل السنت والجماعت کے مسلک پر بھی کوئی فرق نہیں آتا الحمدللہ۔

حضرت مفتی صاحب نے دسویں اور آخری دلیل یہ بیان فرمائی کہ ایک روایت میں ایک خارجی کا ذکر آتا ہے جس کے بارے میں آپ علیہ السلام نے یہ بات بیان فرمائی تھی کہ وہ "باغی گروہ میں قتل ہوگا" (يقتل في الفئة الباغية) روایت کے مکمل الفاظ درج ذیل ہیں:

"عن سويد بن غفلة قال: سألت عليا عن الخوارج قال جاء ذوالثدية المخدجى إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقسم، فقال: كيف تقسم؟ والله ماتعدل؟، فقال: من يعدل؟، فهم أصحابه فقال: دعوه سيكفيكموه غيركم، يقتل في الفئة الباغية،يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية قتالهم حق على كل مسلم"

("السنة لإبن أبي عاصم"،ص:627،دارالصميعي،رياض)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ "فئة باغية" وہ خوارج کا گروہ ہے کیونکہ آپ علیہ السلام نے روایت میں مذکور خارجی کے قتل ہونے کی جگہ "فئة باغية" میں بیان فرمائی ہے لہذا معلوم ہوا کہ "فئة باغية" وہ خوارج کا گروہ تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا دور دور تک خوارج کے گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس شبہ پر عرض یہ ہے کہ یہ روایت شدید ضعیف ہے چنانچہ جس کتاب سے یہ روایت نقل کی گئی ہے اس کا محقق اس روایت کے حاشیے میں لکھتا ہے کہ:

"اسناده ضعيف جدا،فيه إسحاق بن إدريس وهو الاسواري متروك"

(ایضاً)

معلوم ہوا کہ یہ روایت اسحاق بن ادریس متروک راوی کی وجہ سے قابل احتجاج نہیں ہے اگر اسے صحیح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ "تقتله الفئة

الباغية" میں جس گروہ کا ذکر ہے وہ وہی باغی گروہ ہے جس کا ذکر مذکورہ بالا خارجی کے تذکرے میں ہے کیونکہ روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ خارجی ایک باغی گروہ کے اندر قتل ہوگا اور وہ باغی گروہ خوارج کا گروہ تھا کیونکہ خوارج نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی لہذا انہیں حدیث میں "فئة باغية" کہنے کی وجہ سے اس بات کی قطعاً نفی نہیں ہوتی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت "تقتله الفئة الباغية" والی حدیث میں مذکور "فئة باغية" کا مصداق نہیں ہیں کیونکہ ان حضرات نے بھی "بغاوت" کی تھی لیکن ان کی بغاوت تاویل اور اجتہاد کی بنیاد پر تھی جس پر وہ عند اللہ ماجور و مغفور ہیں اور ان پر زبان طعن دراز کرنے والا ملعون ہے۔

آخر میں حضرت مفتی صاحب نے چند اکابر علماء دیوبند کے حوالے پیش کئے جنہوں نے حدیث عمار کا مصداق "قاتلین عثمان" کو قرار دیا ہے اور وہی دلائل ذکر فرمائے ہیں جن کا تجزیہ ہم پہلے کر چکے ہیں ان اکابر میں سے چند بڑے اکابر کے نام درج ذیل:

1)امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ

2)حضرت مولانا عبد الستار تونسوی صاحب رحمہ اللہ

3)حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ

یہ تمام وہ حضرات ہیں جن کی ساری زندگی دین کی نشر و اشاعت اور حفاظت میں گزر گئی اور ان حضرات کی زندگی کا ایک لمحہ بھی میری پوری زندگی سے اعلی و افضل ہے، یہ حضرات تقوی وطہارت کے جس مقام پر تھے میں اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میں حدیث عمار کے مصداق کے حوالے سے بڑے ادب و احترام کے ساتھ ان تینوں اکابر کی تحقیق کو جمہور اہل السنت والجماعت کے مسلک کے مقابلے میں مرجوح سمجھتے ہوئے اور شریعت کے حق کو مقدم سمجھتے ہوئے اسی طرح اختلاف کرتا ہوں جس طرح حضرت امام اہل سنت، مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ نے اپنے پیر و مرشد، رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانی صاحب رحمہ اللہ سے اختلاف کیا چنانچہ ایک مقام پر بڑے ادب و احترام کے ساتھ لیکن واضح الفاظ میں حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

"لیکن حضرت مرحوم کے کئی تفردات ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہوگا، الحمد للہ تعالی حضرت مرحوم کا ادب واحترام سویدائے قلب میں موجود ہے اور ان کی بے لوث دینی خدمات اور اپنے مخصوص رنگ میں توحید و سنت کی نشر و اشاعت اور اپنے نرالے ذوق میں شرک و بدعت کا رد نا قابل تردید حقیقت ہے لیکن شریعت کا حق سب سے مقدم ہے"

("سماع الموتی"، ص:312،313)

لہذا میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت نے اپنے بڑوں سے اختلاف کرنے کے مسئلہ میں بھی اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائی اور اس مقام پر بھی اکابر کے دامن سے وابستہ رکھا الحمد للہ۔

الحمد للہ ہم نے ایک ایک کر کے مفتی صاحب کے تمام شبہات کے جوابات دلائل کے ساتھ دے دیے اور مسلک اہل السنت والجماعت کو منقح کر کے آپ حضرات کے سامنے پیش کر دیا جو محض اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور اسی کی توفیق سے ہوا، یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا بھی ضروری ہے کہ ہمارا اس تمام گفتگو سے مقصد صرف اور صرف حدیث عمار کی صحت اور مصداق کے حوالے سے جمہور اہل السنت والجماعت کے منصور و مقبول مسلک کی حفاظت اور ترجمانی ہے کیونکہ یہ حدیث کوئی آج کل میں برآمد نہیں ہوئی بلکہ صدیوں سے کتب اہل سنت میں نقل ہوتی ہوئی آرہی ہے اور ہم چونکہ اہل السنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں تو جس طرح ہم قرآن وحدیث کا متن اکابر سے لیتے ہیں اسی طرح اس کا معنی ومفہوم بھی وہی معتبر سمجھتے ہیں جو اکابر اہل سنت نے بیان فرمایا ہے اور حدیث عمار کا مفہوم و معنی بھی صدیوں سے اکابر اہل سنت کی کتب میں نقل ہوتا ہوا آرہا ہے کہ اس کا مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت ہے اور اس حدیث میں ان کی "خطاء اجتہادی" کی "نوعیت" کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج ہوگا اور یہی جمہور فقہاء و محدثین کا مسلک ہے، اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اقدام کو "خروج" نہ کہا جائے تو اس صورت میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ پر سوال قائم ہو جائے گا کہ آخر انہوں نے کس شرعی دلیل کی بنیاد پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تلوار استعمال کی کیونکہ مسلمان گروہ کے خلاف مسلح جنگ کرنا دو صورتوں میں جائز ہے:

1) وہ راہزن اور ڈاکو ہو

2) وہ باغی ہو

پہلی صورت کا تصور تو قطعاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کے بارے میں نہیں کیا جا سکتا جس کی وجہ سے دوسری صورت ہی رہ جاتی ہے، اب اس دوسری صورت میں بھی اہل سنت معاذ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عام باغیوں اور مفسدین کی طرح نہیں سمجھتے اور نہ ان کی نیت پر حملہ کرتے ہیں بلکہ انہیں مجتہد مخطی اور معذور سمجھتے ہیں اور ان کی طرف سے عذر بیان کرتے ہیں اور اس بنیاد پر ان پر طعن و تشنیع کرنے کو حرام اور ناجائز قرار دیتے ہیں اور طعن تشنیع کرنے والے کو ملعون قرار دیتے ہیں اور ان کی اس "خطاء اجتہادی" کو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے الفاظ میں اویس قرنی اور عمر بن عبد العزیز رحمہا اللہ کی نیکیوں سے بھی بڑھ کر جانتے ہیں چنانچہ حضرت مجدد رحمہ اللہ ایک صاحب کو خط میں لکھتے ہیں کہ:

"شاید کہ جناب میر صاحب نے فراموشی اختیار کرلی ہے کہ سلام و پیام سے بھی یاد نہیں فرماتے، فرصت بہت کم ہے اس (فرصت) کو اعلیٰ ترین مقاصد میں صرف کرنا ضروری ہے اور وہ (اعلی مقاصد) ارباب جمعیت کی صحبت ہے کیونکہ صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو رسول صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی صحبت ہی کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام غیر صحابہ پر فضیلت حاصل ہے خواہ اویس قرنی ہوں یا عمر مروانی (یعنی عمر بن عبد العزیز) ہی کیوں نہ ہوں، حالانکہ یہ دونوں حضرات حضور اکرم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی صحبت کے علاوہb تمام درجات کی نہایت اور تمام کمالات کی غایت تک پہنچے ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی "خطاء" آنحضرت صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی صحبت ہی کی برکت کی وجہ سے ان دونوں کے "صواب" سے بہتر ہے اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا "سہو" ان دونوں کے "صواب" سے افضل ہے کیونکہ ان بزرگواروں کا ایمان رسول صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شرف زیارت، فرشتہ کی حاضری اور وحی کے مشاہدہ کرنے اور معجزات کے دیکھنے کی وجہ سے شہودی ہو چکا تھا۔

اور ان (صحابہ) کے سوا کسی اور کو اس قسم کے کمالات جو تمام کمالات کے اصول ہیں نصیب نہیں ہوئے اور اگر حضرت اویس قرنی کو معلوم ہو تا کہ صحبت کی فضیلت میں یہ خاصیت ہے تو ان کو صحبت سے کوئی چیز مانع نہ ہوتی اور وہ اس فضیلت پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیتے، واللہ

يختص برحمته مين يشاء والله ذوالفضل العظيم (بقرہ، 105) (اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت جس کیلئے چاہتا ہے مخصوص کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے)"

("مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی" ص: 307، دفتر: اول مکتوب: 120، مترجم: حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ)

لہذا ہماری مذکورہ بالا معروضات سے کوئی بدباطن ہرگز یہ نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش نہ کرے کہ ہم معاذاللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی طرح کے سوء ظن میں مبتلا ہیں اور ان کو توہین و تنقیص کے طور پر "باغی" و "خاطی" کہنے کے روادار ہیں ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے اگر کوئی شخص ہماری اس وضاحت کے بعد بھی اس طرح کا کوئی غلط نتیجہ اخذ کرتا ہے تو اس کی ذمہ داری اسی پر ہے۔

ضروری اعلان

مجلّہ راہِ ہدایت دسمبر ۲۰۲۵ء کا شمارہ ان شاء اللہ مسئلہ تقلید پر خصوصی نمبر کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ علماء کرام سے درخواست ہے کہ مسئلہ تقلید پر اپنے گراں قدر مضامین اشاعت کے لئے ہمیں ارسال فرمائیں۔

عنوانات

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، تقلید کا ثبوت آیات قرآنیہ سے، تقلید کا ثبوت احادیث مبارکہ سے، تقلید کا ثبوت اجماع امت سے، تقلید کا ثبوت اقوال صحابہ سے، تقلید کا ثبوت علماء کرام سے، تقلید کا ثبوت غیر مقلدین سے، تقلید پر اعتراضات کے جوابات، ترکِ تقلید کے نقصانات، مشہور محدثین کا فقہی مذہب، مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا، مولانا وحید الزمان صاحب غیر مقلد تھا، وغیرہ

مضامین بھیجنے کا طریقہ کار

اپنے مضامین ان پیج فائل، ورڈ فائل یا ٹیکسٹ پیغام کی صورت میں درج ذیل نمبر پر ارسال فرمائیں۔

03428970409

مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ

(بسلسلہ توضیحات عباراتِ اکابر عبارت نمبر ۲)

مسئلہ سماع موتیٰ زمانہ صحابہؓ سے اختلافی ہے مگر تکفیر فتنہ مماتیہ کی ایجاد ہے

قارئینِ کرام! بعض افراد ایسے ہیں جن کی سوچ میں حق و انصاف اور حقائق کے ساتھ کھلی دشمنی رچی بسی ہے۔ ان لوگوں میں فرقہ مماتیہ (اشاعتیہ) کا پہلا نمبر ہے۔ یہ حضرات معمولی معمولی باتوں پر امتِ مسلمہ کی تکفیر کر ڈالتے ہیں۔ یوں تو انہوں نے دیوبند کی صف کو پہلے ہی چیر پھاڑ دیا تھا، لیکن اب عمومی امتِ مسلمہ میں بھی فتنہ و فساد اور دست و گریبان ہونے کی ذمہ داری انہی کے سر ہے۔

آج سے تقریباً پانچ سال پہلے مشہور مفرور، بدزبان اور تکفیری الذہن خضر حیات مماتی نے مسئلہ سماع الموتی کو کفری و شرکی قرار دے کر امتِ مسلمہ کی تکفیر کی تھی۔ اس کا جواب اُس وقت استاذ المناظرین، ترجمانِ علماء دیوبند، حضرت مولانا مفتی محمد ندیم المحمودی حفظہ اللہ نے نہایت زوردار انداز میں اردو زبان میں ریکارڈ کر کے دے دیا تھا اور یوں زندہ کو زمین میں دفن کر دیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے یہ پیشن گوئی بھی کی تھی کہ یہ بیچارہ کبھی میرے سامنے نہیں بیٹھ سکتا، اگر بیٹھ گیا تو میں اسے بھاری انعام دوں گا۔ نتیجتاً خضر حیات جواب نہ دے سکا۔ اپنی شرمندگی چھپانے کے لئے اس کا شاگرد مفتی عثمان نامی شخص سامنے آیا اور چند کلیپس ریکارڈ کر کے جواب دینے کی کوشش کی۔ بار بار حضرت مفتی صاحب نے جواباً اسے کہا کہ آپ خود سامنے آجائیں، لیکن شرط یہ ہے کہ خضر حیات کا لکھا ہوا اجازت نامہ لائیں۔

خیر۔۔۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے کچھ مفید نکات سامنے آئے۔ سوچا کہ قارئین کی خدمت میں بھی وہ مواد بعونہٖ تعالیٰ پیش کروں تاکہ علمی ذوق کے ساتھ ساتھ ان کی اختراعات اور دجل و فریب کی حقیقت بھی واضح ہو سکے اور اپنا حاصل مطالعہ قارئین کرام کو بھی پیش کر دوں تاکہ فایدہ عام ہو جائے ان شاء اللہ العزیز۔

اعتراض: علماء دیوبند سماع موتی کے موضوع پر کیوں مناظرے کرتے ہیں؟ یہ تو زمانۂ صحابہؓ سے اختلافی مسئلہ چلا آ رہا ہے، اس میں فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ اس پر مناظرے کرنا ایک فضول کام لگ رہا ہے۔

جواب: آپ کی یہ بات بالکل درست ہے کہ یہ اختلاف زمانۂ صحابہؓ سے چلا آ رہا ہے۔ حتیٰ کہ علماء دیوبندؒ میں بھی بعض حضرات عدم سماعِ موتی کی طرف گئے ہیں، اگرچہ جمہور کا موقف سماع موتیٰ ہی ہے۔

ہمارا مناظرہ ان سے نفسِ مسئلہ سماعِ الاموات پر نہیں بلکہ اس پہلو پر ہے کہ یہ حضرات سماع الموتی کو "شرکی مسئلہ" کہتے ہیں، جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ اور اکثر امتِ مسلمہ پر تکفیر لازم آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا ان سے علمی معرکہ ہے۔ ورنہ اگر یہ حضرات سماعِ موتی کو شرکی کہنے کے بجائے اسے اختلافی قرار دے کر صرف عدمِ سماع کے قائل بن جاتے تو ہمارا ان سے کوئی لینا دینا ہی نہ ہوتا۔

خضر حیات مماتی کا وہ کلپ توسوشل میڈیا پر عام وائرل ہے جس میں وہ سماعِ موتی بلکہ سماعِ النبی ﷺ کو بھی شرکی مسئلہ قرار دیتا ہے اور اس کے قائل کو مشرک کہتا ہے (معاذ اللہ)۔

ان کی کتابوں میں بھی ایسے ہی الفاظ ملتے ہیں۔ چنانچہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

"عدمِ سماع پر نصِ قطعی وارد ہے"

(مجموعہ رسائل، ج1، ص391)

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"جو سماعِ موتی کا قائل ہے وہ صریح قطعی نصوص ﴿إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ﴾ اور ﴿وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ﴾ کا منکر ہے"

(ندائے حق، ج2، ص255)

اسی کتاب میں سماعِ موتی کو "اصولی اور عقیدوی مسئلہ" کہا گیا ہے۔

(دیکھیے ندائے حق، ج2، ص313؛ ج3، ص199)

اب قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ جب ان کے بقول "عدمِ سماع" پر نصِ قطعی وارد ہے تو پھر اس کے برخلاف یعنی "سماعِ موتی" کا قائل کس زمرے میں آتا ہے؟

مزید یہ کہ ان علمی یتیموں سے ہمارے اکابرینؒ کا چیلنج آج تک باقی ہے کہ اگر کوئی ایک "قطعی الدلالۃ" نص پیش کر دیں جس سے سماعِ موتی شرکی ثابت ہوتا ہو تو ہم انعام دینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن یاد رہے! قیامت تو آسکتی ہے مگر یہ حضرات اس کا جواب نہیں دے سکیں گے، صرف ادھر اُدھر کی باتیں کر کے جان چھڑائیں گے۔

مولوی حسین نیلوی صاحب شیخ طاہر پنج پیری صاحبؒ کے حالات میں لکھتے ہیں:

"کسی کی پرواہ کیے بغیر قائلین سماع موتیٰ کو کافر و مشرک سمجھتے تھے"

(سوانح حیات حضرت مولانا حسین علیؒ المعروف بہ ناشر القرآن صفحہ 122 طبع اول، ناشر: گلستان پرنٹنگ سرگودھا)

ایک اور جگہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

"شرک میں داخل کرنے والا سب سے بڑا گیٹ مسئلہ سماع موتی کا ہے"

(شفاء الصدور ص 115 مترجم مولانا محمد امیر بندیالوی صاحب)

احمد سعید ملتانی صاحب لکھتے ہیں:

"اس عقیدے کا حامل مشرک بھی ہو گا کیونکہ اسباب نہ ہونے کے باوجود مافوق الاسباب کے طور پر غیر اللہ یعنی میت کے سماع اور استشفاع کا بلا التزام قائل ہے"

(سلسلة الذهب ص 9)

بات صاف ہے سماع موتی کو کفر یہ کہا اور اس کی وجہ یہ بتلایا کہ سماع موتی مافوق الاسباب ہے۔

اور انہی کے ایک عالم ملتانی صاحب کا نظریہ یوں نقل کرتے ہیں:

"علماء دیوبند میں جو قائلین سماع موتی ہیں مولانا نے انہیں ایک جگہ "یا ایھا الکافرون" کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے

(خس کم جہاں پاک ص 69)

بلکہ بقول ان کے جماعتی فیصلہ اور پالیسی ہے کہ قائلین سماع کے تکفیر کی جائے گی"(ایضاص 68)

اور ایک کتاب (جو خضر حیات ہی کی ہے لیکن فرضی نام اس پر "حافظ احمد عبد اللہ سنی حنفی دیوبندی حسینی" درج ہے) میں یوں درج ہے"

مسئلہ توسل شد رحال اور استشفاع میں آپ حضرات کو پرلے درجے کا بدعتی اور مشرک اکبر بتاتے ہیں"

(الفتح المبین ص 53)

مولوی خضر حیات صاحب ایک ویڈیو بیان میں کہتا ہے:

"سید عنایت اللہ شاہ بخاری کا یہ نظریہ تھا اور یہ (بات ان کی) نغمہ توحید میں بھی موجود ہے، کہ:

"جو صلوۃ و سلام عند القبر کا قائل ہو، وہ آدمی ابو جہل کی طرح مشرک ہے۔ عند القبر جو صلوۃ و سلام سننے کا قائل ہے وہ ابو جہل کی طرح مشرک ہے۔"

مولوی خضر حیات مزید کہتا ہے:

"میں نے خود حضرت شاہ صاحب سے پوچھا۔ اور میرے ساتھ دوسرے علماء بھی تھے۔ ایک عالم نے کہا: حضرت شاہ جی! ہماری مسجد کا امام باقی کوئی شرک نہیں کرتا، صرف یہ کہتا ہے کہ اُدھر جاؤ روضے پر نبی پاک ﷺ سلام سنتے ہیں، تو کون ہے؟

تو فرمایا پکا:

"پکا مشرک ہے، اس کے پیچھے کوئی نماز نہیں ہوتی۔"

(یہ بیان بذاتِ خود خضر حیات کی زبان سے ویڈیو کی شکل میں موجود ہے اور ہمارے پاس بھی محفوظ ہے، بلکہ سوشل میڈیا پر بھی عام پھیل چکا ہے بوقت مطالبہ ہم پیش کر سکتے ہیں ان شاء اللہ العزیز)

اور نیلوی صاحب اپنی جماعت کے متعلق یوں اظہار حقیقت بیان کرتے ہوئے رَقم طراز ہیں:

"آج کل قائلین سماع موتی کو کافر اور مشرک کہنے والا فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے"

(ندائے حق ج2 ص256)

نوٹ: ان کی مزید سماع موتی کے متعلق تکفیری حوالہ جات بندہ لاشئ کی دوسری کتاب "فرقہ مماتیہ اپنے فتووں کی زد میں" صفحہ 58و59 دیکھیے)

خلاصہ اعتراض وجواب

مسئلہ سماعِ موتی واقعی زمانۂ صحابہؓ سے اختلافی ہے، لیکن اصل جھگڑا "شرک" کا فتویٰ لگانے پر ہے۔ سماعِ موتی کو شرک کہنا صحابہ کرامؓ اور جمہور امت کی تکفیر کے مترادف ہے۔ یہی اشاعتیوں کا اصل فتنہ ہے، ورنہ اختلافی رائے رکھنا جرم نہیں۔

اعترض: سماع الاموات ماتحت الأسباب نہیں

نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

"مُردوں کا سماع ماتحت الاَسباب تو ہے نہیں" (نداء الحق، ج3، ص128)

مولانا جمشید باجوڑی صاحب لکھتے ہیں:

"اور تماشہ کی بات یہ ہے کہ جب ہم اپنے سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی قبروں کو کھلا ہوا دیکھتے ہیں تو اکثر مُردوں کے جس میں مٹی کے ساتھ مٹی بنی ہوئی ہوتی ہیں، یعنی مردے کے نہ کان ہوتے ہیں اور نہ آنکھے ہوتی ہیں، جسم کا کوئی اندام اور کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن پھر بھی یہ لوگ کہتے ہیں کہ مُردے سنتے ہیں۔ تو یہ بات عقلاً و نقلاً غلط ہے۔ کیوں کہ جب مردے سے مٹی بن جائے اور دیکھنے اور سننے کے اسباب ہی باقی نہ رہے تو اس پکارنے کو مافوق الاسباب پکارنا کہا جاتا ہے"

(نفی سماع انبیاء واموات، ص180)

یہاں بھی اعضاء (کان وغیرہ) کو مٹی کہہ کر سماع کو مافوق الاسباب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہاں پکارنے والی بات موضوع سے خارج ہے۔

مولانا امیر بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

"مثلاً جب کان، آنکھ، ناک، منہ خاک ہو گئے اور ارواح علیین یا سجین میں ہیں جو کروڑہا میل کی مسافت پر ہیں، پھر مُردے کا سماع ثابت کرنا یہ نداءللغیب نہیں تو کیا ہے؟"

(شفاء الصدور، ص119)

مولانا احمد سعید خان ملتانی لکھتے ہیں:

"اس عقیدے کا حامل مشرک بھی ہو گا، کیونکہ اسباب نہ ہونے کے باوجود مافوق الاسباب کے طور پر غیر اللہ یعنی میت کے سماع اور استشفاع کا بلا التزام قائل ہے"

(الرسالۃ المبین، ص9)

ان سارے حوالوں کا خلاصہ یہ ہے کہ مماتی حضرات کہتے ہیں: جب میت کے کان وغیرہ مٹی ہو گئے تو وہ کیسے سن سکتا ہے؟ اور جو اس کے بعد بھی سماع کا قائل ہے وہ "مافوق الاسباب" سننے کا قائل ہو گا، جو کہ ان کے نزدیک شرک ہے۔

جواب: ہمارا نظریہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسدِ عنصری کے ساتھ برقرار رہتا ہے۔ اب میت کا سماعِ کا سبب مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی وہ تخلیق ہے، جب کوئی عند القبر سلام و کلام کرے تو اللہ تعالیٰ **بمشیئتِ** خویش میت

میں ادراک پیدا فرمادیتا ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَخْلُقُ ٱلْإِدْرَاكَ فِي ٱلنَّفْسِ...إِنَّ ٱللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ﴾

اسی کے ساتھ ایک سبب کو علامہ آلوسیؒ (المتوفی:1270ھ) نے یوں بیان کیا ہے:

"وَحَيْثُ كَانَ لَهَا عَلَى ٱلصَّحِيحِ تَعَلُّقٌ لَا يُعْلَمُ حَقِيقَتُهُ وَكَيْفِيَّتُهُ إِلَّا ٱللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِٱلْبَدَنِ كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ بَعْدَ ٱلْمَوْتِ، وَهُوَ غَيْرُ ٱلتَّعَلُّقِ بِٱلْبَدَنِ ٱلَّذِي كَانَ لَهَا قَبْلَهُ، أَجْرَى ٱللَّهُ سُبْحَانَهُ عَادَتَهُ بِتَمْكِينِهَا مِنَ ٱلسَّمْعِ وَخَلْقِهِ لَهَا عِندَ زِيَارَةِ ٱلْقَبْرِ، وَكَذَا عِندَ حَمْلِ ٱلْبَدَنِ إِلَيْهِ، وَعِندَ ٱلْغُسْلِ مَثَلًا"

(روح المعانی، ج21، ص57)

ترجمہ: صحیح قول کے مطابق روح کا تعلق بدن کے کل یا بعض کے ساتھ بعد الموت برقرار رہتا ہے، جس کی حقیقت و کیفیت اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ تعلق اس تعلق سے مختلف ہے جو موت سے پہلے بدن کے ساتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت جاری کر رکھی ہے کہ قبر کی زیارت، بدن کے غسل اور اس کو قبر کی طرف لے جانے کے وقت روح کو سماع کی طاقت عطا فرماتا ہے۔

اسی وجہ سے امام اہل السنہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

"قبر میں جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اور جسم کا روح سے تعلق قائم کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اُس کو ادراک و شعور حاصل ہوتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے مردہ سلام و کلام وغیرہ سنتا ہے"

(سماع موتی، ص248)

پس ثابت ہوا کہ سماعِ موتی کے اسباب تین ہیں:

1. بندوں کا کلام کرنا،

2. اللہ کا سنانا،

3. تعلقِ روح۔

نیلوی صاحب خود محدثین سے نقل کرتے ہیں:

"ہمیں قبروں پر سلام کہنے کا حکم ملا ہے، اگر روحیں ادراک نہ کرتیں تو سلام کہنا بے سود ہوتا، اور شارع ایسے بے سود حکم دینے سے منزہ ہے"

(نداء الحق، ج3، ص57)

بلکہ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ:

"روح کا ادراک، شعور اور سمع و بصر زیادہ قوی ہے"

(نداء الحق، ج2، ص40)

الزامی حوالہ:

1. مفتی سلیمان ساجد مماتی لکھتے ہیں:

"علماء حقہ، علماء دیوبند میں قائلینِ سماعِ موتی فی الجملہ بعض اوقات بمشیئۃ اللّٰہ قائل ہیں"

(تبلیغی جماعت پر حیاتی ٹولہ کے اعتراضات، ص68)

سوال یہ ہے کہ جب علماء حقہ اور علماء دیوبند سماع موتی کے قائل ہیں تو کیا وہ مافوق الاسباب کے قائل ہو گئے یا نہیں آپ کے اصولوں کے مطابق؟

2. نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھجور کے تنے کا رونا اور بات چیت کرنا مشہور واقعہ ہے۔ بتایا جائے، کیا اس کھجور کے پاس کان اور زبان تھے؟

3. نیلوی صاحب، شیخ سجاد بخاری اور مولانا عطا اللہ بندیالوی سب مانتے ہیں کہ روح سنتی ہے (نداء حق، ج3، ص143؛ إقامة البرهان، ص98؛ مسلک شیخ القرآن، ص38)۔ کیا روح کے کان ہیں؟

4. خود نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے مقتولین نے رسول اللہ ﷺ کی بات سنی تھی (نداء الحق، ج3، ص12، 18، 26)۔ اگر یہ نص قطعی کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا اس قول کی وجہ سے صاحبِ تحریر مشرک ہو گئے؟

5. ان تمام تضادات کے باوجود مماتی حضرات سماع موتی کو "فروعی مسئلہ" کہتے ہیں (مولانا محمد طاہر اور ان کی قرآنی تحریک، ص307)۔ بلکہ بعض مقامات پر کہتے ہیں کہ سماع موتی کے قائلین کا فر تو درکنار گمراہ بھی نہیں۔

(ایضاً، ص218)

تو کیا یہ عقیدے میں کھلا تضاد اور عدمِ پختگی نہیں؟

یہ حضرات خود مانتے ہیں کہ دیوبند کے اکابرین میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، کئی دیگر علماء اور بعض محدثین سماع موتی کے قائل تھے (ایضاً، ص229)۔

علامہ کشمیریؒ کے بارے میں مماتی حضرات لکھتے ہیں کہ وہ سماع موتی کو متواتر کہتے تھے (حقیقة الالحاد، ص108)۔

مزید نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

جماہیر امت — شوافع، مالکیہ، حنابلہ — سب سماع عند قبر النبی ﷺ کے قائل تھے۔

بلکہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن عبد الہادیؒ، ابن حجرؒ، سیوطیؒ، نوویؒ، قاضی عیاضؒ، شیخ عبد الحق دہلویؒ، ملا علی قاریؒ، قاسم نانوتویؒ — سب سماع موتی کے قائل تھے (نداء حق، ج2، ص84-85)

اور بقول نیلوی صاحب امام بخاریؒ بھی نہ صرف سماع موتی بلکہ کلام الموتی کے بھی قائل تھے (نداء حق، ج1، ص331)

اور آگے لکھتے ہیں:

سماع النبی ﷺ والی حدیث غیر مجتہدین میں شہرت پا کر تواتر اور اجماع کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔

(نداء حق، ج2، ص229)

کیا ان سب جمہور امت کو کافر و مشرک کہا جائے گا؟ معاذ اللہ!

خلاصہ

سماع موتی کو "مافوق الاسباب" کہہ کر شرک قرار دینا اور اس کے قائلین کو مشرک کہنا مماتی حضرات کا انتہائی ایمان سوز جرأت ہے۔ خود ان کے اکابر اور جمہور امت سماع موتی کے قائل ہیں۔ قرآن و حدیث، اجماع امت اور اقوالِ محدثین اس کے دلائل ہیں۔ لہٰذا اس عقیدے کو شرک کہنا درحقیقت صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدین اور اکابر دیوبندؒ کی تکفیر ہے۔

مماتیوں کا بدبودار عقیدہ

اب مماتیوں کا بدبودار و بدعی عقیدہ ملاحظہ کیجیے کہ کیسے مافوقُ الاسباب کے قائل ہیں۔

فرقہ اشاعتیہ نے ایک متفقہ فیصلہ جاری کیا تھا، اس میں یہ بھی درج ہے:

"جو لوگ بمشیئۃِ الله خَرقًا للعادۃ عند القبور سماع کے قائل ہیں وہ کافر نہیں ہیں"

(شیخ القرآن مولانا محمد طاہرؒ پنج پیری: حیات و خدمات، ص 218، از مولانا محمد الیاس، اشاعت دوم، ناشر: اشاعت اکیڈمی، قصہ خوانی بازار، پشاور)

اب دیکھیے حوالہ جات کے ذریعے مماتی کہتے ہیں کہ سننا مافوقُ الاسباب ہے، اور اس حوالے میں یہ تصریح ہوئی کہ میت خَرقاًللعادۃ سن سکتا ہے، جو کہ مماتیوں کے نزدیک مافوقُ الاسباب سننا ہے (صُغریٰ)۔

اس مقدمہ کو تو مماتیوں نے تسلیم کیا ہے۔

(اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ) مافوقُ الاسباب سننا کفر و شرک ہے (کُبریٰ)۔

اس مقدمہ کو بھی مماتیوں نے تسلیم کر لیا ہے۔

اب اگر حدِ اوسط (مافوق الاسباب سننا) گرائی جائے تو نتیجہ بنتا ہے:

میت کا خَرقًا للعادۃ سننا کفر اور شرک ہے۔

یوں مماتیوں نے اپنے عقیدہ (خرقاًللعادۃ سماع) ہی کو کفر و شرک قرار دے دیا (!!)

کچھ سمجھ شریف میں آیا۔۔۔؟

دوسری طرز سے:

جب یہ خَرقٌ للعادۃ ہوا تو "عند القبور" کا کیا مطلب؟

اللہ تعالیٰ تو پھر دُور دُور سے بھی سنا سکتے ہیں۔

کیا حضرت عمرؓ نے "یا ساریۃُ الجبلَ" کا نعرہ لگا کر اللہ نے ان مجاہدین کو نہیں سنایا؟

کیا آپ لوگ دور سے اللہ کے سنانے پر قادر نہیں مانتے؟ العیاذُ باللہ۔۔۔؟

تیسری طرز سے:

برزخ کے معاملات ہوتے ہی خوارق ہیں، یعنی دنیا کے قانون کے مطابق نہیں ہوتے، کما قال ملا علی القاریؒ

فی المرقاۃ۔

تو یہاں "خَرق ٌللعادۃ" کی قید ویسے ہی مناظرانہ دباؤ کے قبیلے سے ہے، کوئی ضروری نہیں۔

چوتھی طرز سے:

اگر "خَرق ٌللعادۃ" سے مراد بلا اسباب اور بلا واسطہ سننا ہو، جیسا کہ مماتی حضرات سمجھتے ہیں، تو بلا اسباب اور بلا واسطہ سننا کیا صفتِ خداوندی نہیں ہے؟

اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر کیا اللہ کی صفتِ خاصہ میں کوئی خَرقاً للعادۃ شریک ہو سکتا ہے؟

خوب سوچ سمجھ کر جواب دیجیے۔

اعتراض

خضر حیات مماتی تلبیس کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "بعض حضرات علماءِ حنفیہ کی طرف سماعتِ اموات کے مسئلہ کی نسبت یہ ارشاد کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، بلکہ حنفی مذہب میں مردوں کا نہ سننا اتفاقی مسئلہ ہے، تمام فقہِ حنفیہ میں اس مسئلے کو صاف طور پر لکھا ہے، بلکہ سماعتِ موتی کے مسئلہ کے اختلافی ہونے سے یہ ہے کہ مذہبِ حنفیہ اور مذہبِ شافعیہ کا باہم اختلاف ہے، بعضے شافعی مذہب والے سماعِ اموات کے قائل اور جمہور فقہائے حنفیہ عدمِ سماعت کے قائل ہیں"
>
> (اکابر کا باغی کون، ص130–131، ط: ثانی)

خضر حیات مماتی کا مطلب و مقصد دو باتیں ہیں:

1. یہ اختلاف صرف مواضعِ منصوصہ میں ہے۔
2. یہ اختلاف صحابہ کرامؓ کے درمیان نہیں بلکہ احناف اور شوافع کے درمیان ہے، اسی لیے اسے اختلافی کہا گیا۔

جبکہ یہ دونوں باتیں سراسر جھوٹ اور اپنے مذہب سے بھی بغاوت ہیں۔

پہلے شق کا جواب:

مماتیوں کی یہ بات کہ "یہ اختلاف مواضعِ منصوصہ میں تھا" اپنے گھر سے ہی اس کا پوسٹ مارٹم دیکھیں۔

خود آپ (خضر حیات مماتی) نے بھی مانا ہے کہ شوافع سماعِ موتی کے قائل ہیں (اکابر کا باغی کون، ص 131)۔

رہ گیا مذہبِ حنفی، تو لیجیے آپ کے گھر کے مناظر و محقق مولانا عبد المقدس صاحب لکھتے ہیں:

"سماعِ موتیٰ بمذہبِ امام ابی حنیفہؒ سوائے مواضعِ مخصوصہ کے ثابت نہیں ہے"

(رسائل مقدسہ، ص76)

مطلب یہ ہوا کہ حنفیت میں بھی مواضعِ منصوصہ میں سماع ثابت ہے، اور شوافع میں تو آپ ویسے بھی مانتے ہیں۔ پس حقیقت یہ ہے کہ خضر حیات مماتی کا یہ دعویٰ صرف ہوائی فائرنگ اور بے بنیاد وسوسہ ہے، جس کی قلعی اس کے اپنے ہی گھر کے حوالہ جات نے کھول دی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

خلاصۂ بحث

اس پوری گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ:

خود مماتی حضرات نے "خرقًا للعادة سماع" کو تسلیم بھی کیا اور اسی کو کفر و شرک بھی قرار دیا، جو کہ کھلا تضاد ہے۔

"عند القبور" کی قید ایک مناظرانہ ذہنی ورزش ہے، ورنہ برزخی معاملات اپنی اصل میں خوارق ہی ہوتے ہیں۔

اگر بلا اسباب سماع کو مانا جائے تو یہ صفتِ خاصۂ الٰہیہ ہے، اور مخلوق کو اس میں شریک ٹھہرانا ان کے اپنے معیار کے مطابق شرک ٹھہرتا ہے۔

خضر حیات مماتی کی تلبیس کو اس کے اپنے اکابر اور معاصرین کے اقوال نے رد کر دیا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف کی بنیاد صرف جھوٹ اور مغالطہ ہے۔

یوں اشاعتی موقف کی علمی اساس برقرار ہے اور مماتی موقف خود اپنے دلائل ہی کے بوجھ تلے دب جاتا ہے۔

دوسرے وسوسے کا جواب دوسرے وسوسے کا جواب بھی خود انہی کے گھر سے ملاحظہ کیجئے:

1 = مماتیوں کے شیخ القرآن ولی اللہ کابلگرامیؒ فرماتے ہیں:

"مسئله سماع الموتى اختلافية سلفاً و خلفاً فى الصّحابة والتابعين والائمة الكرام"

(فتاویٰ شیخ ولی اللہ کابلگرامی شہید، صفحہ 47)

2 = مماتیوں کے مشہور شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سعید الرحمن الخطیبؒ صاحب عرف اوگی خطیب صاحب رقم طراز ہیں:

"البتہ نفسِ سماعِ موتی میں اختلاف ہے۔ دونوں صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک علماء ہیں جاری ہے۔ اور سب نیک بندے اور اکابر اولیاء ہیں۔ کوئی ان میں نہ کافر اور گمراہ اور معتزلی نہیں ہے"

(مجموعہ برزخی غمی وخوشی، صفحہ 180-181)

خضر حیات صاحب! ایک ایک کلمہ آپ کے عقیدے کے پرخچے اڑاتے ہیں لیکن آپ تعصب میں ڈوبے ہوئے ہو، اپنے اکابرین کی کتب بھی مطالعہ نہیں کرتے۔ اور یوں اپنے آپ۔ کو دنیا کے ایک نمبر کا مناظر اور محقق سمجھے ہو (حقیقت یہ ہے کہ تحقیق اور مناظرہ کی ہوا تک آپ کو نہیں لگی بس صرف بند کمرے میں اپنے آپکو مناظر اعظم اور محقق کبیر سمجھ بیٹھے ہو۔۔۔ ھداک اللہ)

3= قاضی شمس الدین صاحبؒ لکھتے ہیں:

"اختلافی مسئلہ (جس کا اختلاف معتمد بہ ہو) وہ کہلاتا ہے جس میں صدرِ اوّل میں اختلاف ہوا ہو، اور صدر اوّل عبارت ہے زمانہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے۔ جیسے مسئلہ سماعِ موتی ۔۔۔ الخ۔"

(تصانیف قاضی شمس الدین ج2 صفحہ 105)

3= شیخ القران حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

"سماعِ موتی کا مسئلہ زمانِ صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقاداتِ ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے، بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی بحث ہے۔"

(جواہر القرآن، جلد 2، صفحہ 902، سورہ روم، آیت 52)

5= یہی تحقیق جواہر القرآن سے مماتیوں کے شیخ التفسیر والحدیث مولانا سجاد بخاری صاحبؒ نے بھی اپنی کتاب میں من و عن نقل کی ہے۔

(دیکھیے: اقامۃ البرہان، صفحہ 67)

6= مولانا حسین نیلوی صاحبؒ (مترجم: مولانا امیر بندیالوی) اپنی کتاب شفاء الصدور میں حضرت علامہ فہامہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"یہ مسئلہ عہدِ صحابہؓ سے مختلف فیہا ہے۔"

(شفاء الصدور، صفحہ 45)

7= ڈاکٹر ابو سلمان سراج الاسلام حنیف صاحب رقم کرتے ہیں:

"شیخ القرآن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: سماعِ موتی کا مسئلہ زمانِ صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔"

(تسہیل بلغة الحیران، جلد2، صفحہ 150)

8= اسی طرح تحفہ ابراہیمیہ (مصنف: مولانا حسین علیؒ، مقدمہ نگار: قاضی شمس الدینؒ، مبصر: شیخ سجاد بخاریؒ) میں درج ہے:

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سماع موتی کی منکر ہیں اور بعض دوسرے (صحابہ کرامؓ قائل) حضرات قائل"

(تحفہ ابراہیمیہ، صفحہ 158)

9= مماتیوں کے مشہور شیخ التفسیر حضرت مولانا عبد الجبار باجوڑیؒ لکھتے ہیں:

"سماعِ موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلافی چلا آرہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادیاتِ ضروریہ میں سے نہیں کہ اس کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہو۔"

(فتح الرحمن، جلد2، صفحہ 684)

10= مشہور اشاعتی عالم شیخ عبدالسلام خضروی صاحب (استاذِ خضر حیات مماتی) اپنی کتاب میں مولانا اشید احمد گنگوہیؒ کے حوالے سے بلاتردید نقل کرتے ہیں:

"یہ (سماع موتی کا) مسئلہ عہدِ صحابہؓ سے مختلف فیہا ہے اس کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا"

(فتاویٰ جات ص 35)

اور پھر صفحہ 12 پر جواہر القرآن کی وہ تحقیق قلمبند کی ہے جو ہم پہلے حوالہ جات میں نقل کر چکے ہیں بحمدہ تعالی۔

11= نیلوی صاحب ہی نقل کرتے ہیں:

"مسئلہ سماع موتی کا قرنِ اول میں مختلف ہوا ہے اب اس کا فیصلہ گو ممکن نہیں"

(سوانح شیخ حسین علیؒ المعروف ناشر القرآن ص 223)

12= مماتیوں کے مشہور اور قدیم رسالہ میں مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ کا ایک مضمون چھپا ہے بنام "مسئلہ حیات النبی ﷺ پر درس" اس میں یہ تحریر بھی درج ہے "اختلافی مسئلہ (جس کا اختلاف معتمد بہ ہو) وہ کہلاتا ہے

جس میں صدرِ اوّل میں اختلاف ہوا ہو، اور صدر اوّل عبارت ہے زمانہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے۔ جیسے مسئلہ سماعِ موتی۔۔۔الخ۔(ماہنامہ تعلیم القرآن جلد2 شمارہ5 مئی 1959ء راولپنڈی صفحہ 15)

13= ایک اور رسالہ میں بھی شیخ الحدیث قاضی شمس الدینؒ تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے شیخ حضرت حسین علی صاحب مرحوم ومغفور مسئلہ سماع موتیٰ میں فرماتے تھے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اس میں زیادہ شدت اور بحث وتمحیص نہ کی جائے اور زیادہ کوشش توحید وسنت کی اشاعت اور شرک کی تردید میں کی جائے"

(ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی اگست 1984 ص46)

14== مماتیوں کے معتمد کتاب میں بحوالہ مفتی عزیزالرحمن دیوبندیؒ یہ حوالہ درج ہے:

"مسئلہ سماع موتی کا قرن اول میں مختلف ہوا ہے"

(کشف مغالطات ص12 مؤلفہ علامہ محمد ابراہیم واعظ دہلوی)

ان درجن سے زائد حوالہ جات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوا کہ سماعِ موتی کا مسئلہ صدرِ اوّل ہی سے اختلافی رہا ہے، اور اس اختلاف کو اکابر علمائے امت نے کبھی بھی ایمان وکفر کا معیار نہیں بنایا۔ بلکہ جلیل القدر محدثین، فقہاء اور مشائخ نے اسے محض علمی وتحقیقی دائرے میں رکھا۔

؎ حقیقت روشن وعیاں ہے مگر انکار کرتے ہیں

لیکن خضرحیات (واعوانهم) انکھیں بند کر کے اپنے اکابرین سے بھی بغاوت کرتے ہوئے انکار کرتے ہیں اور اس کے باوجود بھی دوسروں کیلئے" اکابر کا باغی کون" لکھا ہے کہ دیکھے اپنے اکابرین سے بغاوت کر چکے ہیں جبکہ اس علمی یتیم کا اپنا حال یہی ہے۔اللهم اهدنا الصراط المستقيم

اعتراض

خضر حیات مماتی بند مکان میں ایک ویڈیو میں ایک نیا شوشہ چھوڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن اکابرینؒ نے یہ کہا ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے تو ان حضرات کی مراد مواضعِ منصوصہ ہے قلیب بدر وغیرہ نا کہ اس مخصوص مقامات کے علاوہ بھی سننے کا قول کرتے ہیں۔

جواب: یہ ڈھکوسلہ اور شوشہ بھی نیا مارکیٹ میں آیا ہے یعنی یہ بالکل ناکام چالا کی اور عقلی ورزش ہے فقط۔ وجوہات

مندرجہ ذیل ہے:

1 = آخر یہ تاویل پیدائشِ فرقہ مماتیت (1957ء) سے پہلے کس کلمہ گو مسلمان نے کہا ہے کہ اس سے مراد خاص مقامات ہے نا کہ عند القبور۔۔۔؟

حالانکہ ہم اس کے برعکس انہی کے گھر سے پیش کر چکے ہیں کہ یہ اختلاف مطلقاً تھا نہ کہ مقید بقیدِ مواضعِ مخصوصہ کے، **فلهذا** یہ وسوسہ بھی درہم برہم ہوا الحمد للہ۔

ثانیا: یہ خضر حیات کے اپنے اکابرین سے بغاوت ہے اور ان کی نظریات سے بھی ناواقفیت یا تجاہل عارفانہ ہے کیونکہ انہی کی کتابوں میں شیخ حسین علیؒ کا یہ نظریہ لکھا گیا ہے کہ:

"اگر کوئی شخص یہ کہے کہ قبر کے پاس جو بات کہی جائے اُس کو مرہ سنتا ہے تو ایسے شخص کو کافر نہیں کہنا چاہیے کیونکہ اس میں اماموں کا اختلاف ہے اگرچہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ نہیں"
(سوانح مولانا حسین علیؒ صفحہ 96)

دیکھے جناب! کیا یہاں اختلاف مواضعِ منصوصہ میں بتلایا گیا ہے یا اس کے علاوہ (یعنی عند القبور۔۔؟)

میرے خیال میں آپ نے وہ کتاب کا نام مجھ سے سوال کرنے کے لیے رکھ دیا تھا کہ "اکابر کا باغی کون" تو جواب یہی ہے کہ اکابر کا باغی و نافرمان تم"

ثالثا: اگر واقعی اختلاف قلیب بدر وغیرہ میں تھا کہ اس کنویں میں جو مُردے پڑے ہیں یہ سنتا ہے یا نہیں۔ اگر اختلاف اس میں ھو تو سن لیجئے:

آپ لوگ قلیب بدر کو معجزہ مانتے ہو (دیکھے الصواعق المرسلہ ص238) اور سماع کو بعد از وفات معجزہ مانتے ہو (اظہارِ حقیقت ص97و99)

جب یہ واقعہ اور سماع معجزہ ھوا تو آپ حضرات کے نزدیک تو پھر اس میں بعض صحابہؓ کا اختلاف کرنے کی وجہ سے معجزہ کا منکر ہونا لازم آئے گا۔۔؟؟؟

یا دوسرے طرز سے یوں سمجھے کہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"جب اللہ پاک چاہیے تو سُنا دے اُسی کی قدرت و اختیار میں ہوا۔۔۔ اور جو منکر ہو وہ خدائی قدرت و اختیار کا منکر ہوا اور کافر ہوا" (ندائے حق ج2 ص255)

فلھذا اس معجزے میں اختلاف کو محصور کرنا درست نہیں ورنہ تکفیرِ صحابہؓ لازم آئے گا۔۔ معاذ اللہ
اسی وجہ سے یہ اختلاف مخصوص مواضع میں منحصر کرنا درست نہیں۔ یاد رہے یہ بات الزاماً ان کو کہا گیا۔
رابعاً: یہ فرضی اور فرار کی راستہ آپ کو آپ ہی کے استاد نیلوی صاحب نے بند کیا ہے کیونکہ نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، ابن عبد الھادیؒ، ابن حجرؒ، سیوطیؒ، نوویؒ، ٠ عیاضؒ، شیخ عبد الحق محدث دھلویؒ، ملا علی قاریؒ وغیرہ سب سماع عند القبر کے اس لئے قائل ہیں کہ وہ مطلقاً سماع موتی مانتے ہیں" (ندائے حق ج2 ص85)
"مطلقاً سماع موتی مانتے ہیں" پر دوبارہ نظر دوڑائے اور اپنی خود ساختہ بہانے کی دھجیاں ہوا میں ملاحظہ کیجئے۔
خامسا: مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

"مگر ضابطہ، اصول اور قانون یہی ہے کہ کوئی مرنے والا کسی وقت، کسی جگہ سے، کسی کی کوئی بات سن نہیں سکتا۔

(کیا مردے سنتے ہیں؟ ص 21، شایع: مکتبہ توحید وسنت سرگودھا فروری 2004ء)

یہاں تو بندیالوی صاحب لکھتے ہیں کہ ضابطہ، اصول اور قانون ہے کہ کسی بھی وقت کوئی بھی مرنے والا کسی جگہ بھی نہیں سن سکتا۔ اب اس قانون کے خلاف ورزی کرتے ہوئے کیوں جنگ بدر کے موقع پر قلیب بدر والوں کو نبی کریم ﷺ کی کلام کا سننے کے قائل ہو گئے ہو؟
گویا آپ لوگ قانون کے خلاف بے اُصول فرقہ ہی ہو (آپ ہی کے قول و اصول کے مطابق)
سادساً: سماع کو تو ویسے بھی آپ لوگ عقیدہ اور اُصولی قرار دیتے ہو جیسا کہ (ندائے حق ج2 ص313) اور دیگر کتب میں موجود ہے (کما مرّ)
اور یہ دعوی بھی ہے آپ لوگوں کا کہ عقیدے کے لئے صحیح خبر واحد بھی نہیں چل سکتا (کیا مردے سنتے ہیں از بندیالوی صاحب ص50)
اور سماع موتی احادیث کے متعلق مولانا واحد اللہ وحدان صاحب مماتی لکھتے ہیں

"یہ جو احادیث سماع الموتی میں پیش ہو رہا ہے اس میں خبر متواتر موجود نہیں"

(مَنْهَلُ العَطْشَان لِمُنْكِرِي سَمَاعِ المَوْتَىٰ مِنَ الوحْدَان صفحہ 36)

یعنی یہ خبر واحد ہے۔ (ندائے حق ج3 ص158)

فلھذا آپ لوگ تو اس روایت کو بالکل ہاتھ بھی نہ لگاؤ کیونکہ یہ تو آپ کے نزدیک بالکل حجت نہیں بلکہ باصول شما قرآن کے مقابلہ میں وضع کیا گیا ہے معاذ اللہ ثم وثم۔

بلکہ نیلوی صاحب صاف الفاظ میں حضرت عائشہؓ پر افتراء باندھتے ہیں کہ

"حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس خبر واحد کو خلاف قرآن سمجھ کر اس حدیث میں تاویل کی"

(ندائے حق ج3 ص158)

اور آخر میں یہ فیصلہ کیا

"لہذا قرآن چونکہ قطعی الثبوت ہے اور حدیث ظنی الثبوت۔ پس قطعی کے مقابلہ میں ظنّی دلیل چھوڑ دی گئی"

(ندائے حق ج3 ص162)

نیلوی صاحب نے بات ہی ختم کر دی معاذ اللہ۔

سابعا: خضر حیات صاحب نے جو یہ دعوی بلا دلیل کہا کہ یہ اختلاف مواضع مخصوصہ میں ہے تو اس بات کو نیلوی صاحب کے ایک حوالے کی روشنی میں خود دیکھے کہ اس بات میں کتنی وزن ہے؟

نیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے سماع اہل قلیب بدر کی نفی کی اور پھر جلیل القدر صحابہؓ یہ سن کر خاموش رہ گئے اور ردّ نہیں فرمایا تو حضرت عائشہؓ کے قرآنی استدلال کے بعد سب صحابہؓ کا خاموش ھو جانے سے اجماع ھو گیا (دیکھے ندائے حق ج3 ص162 تا164)

تو جب سب صحابہ کرامؓ کا اجماع ھو گیا تو پھر اس میں اختلاف کہاں آ گیا سبحان اللہ

ہر ایک مماتی کا مذھب بھی جدا جدا ہے اور دین بھی جدا جدا ہے، ہر مماتی اپنے اکابرین کے اقوال کو جوتے کی نوک پر رکھدیتے ہیں (!!)

اعتراض: حضرت عائشہؓ بھی تو عدم سماع کے قائل ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا قول بھی ہے۔

الجواب:

پہلے سے ھم نے کہا کہ یہ مسئلہ دورِ صحابہؓ سے اختلافی چلا آرھا ہے کوئی مسئلہ نہیں اگر بالفرض حضرت عائشہؓ آخر وقت تک عدم سماع موتی کے قائل تھی تو کوئی حرج نہیں۔۔

ثانیا: یہ قولِ صحابیؓ ہے کوئی قطعی دلیل تو نہیں مماتی حضرات اپنے اصول کو یاد رکھ کر کوئی قطعی دلیل پیش کریں۔

ثالثا : یہ حضرت عائشہؓ کا ایک اجتہادی قول اور فہم ہے جبکہ خود مماتیوں کے نزدیک نہ تو قولِ صحابیؓ حجت ہے (ندائے حق ج1 ص19) اور نہ فہمِ راوی حجت ہے (ندائے حق ج1 ص710، اگرچہ وہ راوی صحابی ہی کیوں نہ ھو (ندائے حق ج2 ص353)

نوٹ۔ مماتیوں کا قولِ صحابہؓ عدم حجیت پر کئی دلائل ہیں لیکن فی الحال یہاں دو حوالے ذکر کئے باقی کسی اور موقعہ کیلئے ہم نے رکھ دی ہیں بحمدہ تعالی۔

تو پھر کس بنیاد پر حضرت عائشہؓ کا قول مماتیوں کیلئے حجت ہے؟

رابعا:۔۔ ندائے حق میں نیلوی صاحب بمع شفاء الصدور کے مترجم مولانا امیر بندیالوی صاحب نے یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے سب صحابہؓ کے سامنے یہ بات کہی اور کسی نے بھی اس کی تردید نہیں کی، گویا اس پر اجماعِ صحابہؓ ھو گیا۔ یہ صاف اور صریح جھوٹ ہے۔

علامہ نیلویؒ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام پر یہی جھوٹ بولا تھا علامہ حبیب اللہ ڈیروی صاحب نوّر اللہ مرقدہ و کثّر اللہ امثالہ نے اس کی ایسی تردید کی ہے کہ مماتیوں سے اس کا جواب نہیں ہو سکا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے امی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے سامنے سماع موتی والی قلیب بدر روایت پیش کی اور امی عائشہؓ نے اس کے سامنے تاویل پیش کی۔ یہ ایک ایسا جھوٹ ہے کہ تمام مماتی ملکر اس کو ثابت نہیں کر سکتے۔ بخاری کی روایت میں تو صیغہ مجھول کے ساتھ راوی ذکر کر رہا ہے۔۔ وَذُكِرَ عِنْدَ عَائِشَةَ۔۔۔ کہ امی عائشہ کے سامنے ذکر کیا گیا۔۔ کس نے ذکر کیا راوی کو خود اس کا خبر نہیں مماتی ثابت کریں کہ کس صحابی نے یہ روایت امی عائشہؓ کے سامنے پیش کی اور امی عائشہؓ نے کس کس صحابی کے سامنے اس کی تاویل بیان فرمائی۔۔ چلیں اس تابعی کا نام بحوالہ پیش کریں جس نے امی عائشہؓ کی تاویل کسی صحابی کے سامنے بیان فرمائی ہو؟؟ جبکہ خود نیلوی صاحب بھی حیران و پریشان ہے کہ یہ واسطہ صحابی کا ہے یا تابعی کا (ندائے حق)

جبکہ نیلوی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: فعل مجھول کی صیغہ ضعف پر دلالت کرتی ہے "(ندائے حق ج2 ص110)

بہر حال! مماتیوں سے عرض ہے کہ وہ اس جھوٹ کو ثابت کریں۔۔

خامسا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع کی تاویل "علم" سے کی ہے مگر اس تاویل کو کسی ایک صحابیؓ نے قبول نہیں کیا نہ بعد کے جمہور امت نے اس کو قبول کیا تاریخی لحاظ سے خود امی عائشہؓ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی صحابہؓ سماع کے قائل تھے۔۔

چناچہ امی عائشہؓ فرماتی ہیں:

"قالت عائشةُ: والناسُ يقولونَ: لقد سمعوا ما قلتُ لهُ۔۔"

(مسند احمد ج6 ص376 و قال ہیثمیؒ رجالہ ثقات مجمع الزوائد ج6 ص87)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: لوگ کہتے ہیں کہ یقینا (موتیٰ) نے سن لیا جو میں (حضور ﷺ) نے کہا۔

معلوم ہوا کہ جمہور صحابہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دور میں سماع موتی کے احادیث زور وشور سے روایت کرتے اور بیان کرتے رہے ہیں۔ اور بقول علامہ ابن حجرؒ بعد کے جمہور نے بھی جمہور صحابہ کی روایت قبول کئے اور جمہور امت سماع موتی کے قائل رہیں:

"وَقَدْ خالَفَها الجُمهورُ في ذٰلِكَ، وقَبِلوا حديثَ ابنِ عُمَرَ لِمُوافَقَةِ مَن رَواهُ غَيرُهُ عَلَيْهِ"

(فتح الباری لحافظ ابن حجر عسقلانی ج3، ص477)

ترجمہ:۔ اور یقینا جمہور اہل اسلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اور انھوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت قبول کیا ہے۔۔

حتی کہ یہ روایات صحاحِ ستہ کی زینت بنیں

جیسے حدیث انس عن عمر (مسلم ج1 ص263)

حدیث انس عن ابی طلحہ صحیح بخاری ج2 ص566)

حدیث ابن مسعود (مجمع الزوائد ج6 ص88)

حدیث عبد اللہ ابن سیدان (مجمع الزوائد ج6، فتح الباری ج8 ص306،305)

ان صحابہؓ کی روایات عبد اللہ ابن عمرؓ کی روایات کے موافق ہیں۔

سادسا: امام بخاریؒ نے جو حضرت عائشہؓ کی تاویل ذکر کی، ساتھ ہی قتادہؒ کا قول بھی پیش کیا کہ قتادہؒ نے امی عائشہؓ کی تاویل کے بجائے فرمایا کہ انہیں زندہ کر کے سنایا گیا یعنی حضرت قتادہؒ حضرت عائشہؓ کے خلاف تاویل پیش کی کہ قلیب بدر والوں نے سنی ہی تھی لیکن کیفیت جدا تھی اور وہ کیفیت ایسی کہ قلیب بدر والے زندہ ہوئے تو پھر انہوں نے سن لیا پھر فوت ہوئے تو گویا قتادہؒ نے خود حضرت عائشہؓ سے اس اجتہادی امر میں اختلاف کیا یہی وجہ ہے کہ خود امام بخاریؒ بھی سماع موتی کے قائل ہو گئے جیسا ہم نے پچھلے حوالوں میں انہی کی کتاب (ندائے حق ج 1 ص 331) سے ذکر کر چکے ہیں۔

سابعا: دیگر محدثینؒ نے بھی اماں عائشہؓ کے اجتہاد پر کلام کیا ہیں چنانچہ مفسر علامہ قرطبیؒ (المتوفی 671ھ) لکھتے ہیں:

"وَقَدِ احْتَجَّتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فِي إِنْكَارِهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْمَعَ صَوْتَ بَدْرٍ بِهَذِهِ الْآيَةِ. فَنَظَرَتْ فِي الْأَمْرِ بِقِيَاسٍ عَقْلِيٍّ، وَوَقَفَتْ مَعَ هَذِهِ الْآيَةِ. وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: «مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ»

(تفسیر قرطبی ج 13، ص 232، تحت سورۃ النمل رقم الآیۃ: 80)

ترجمہ:۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتی کے انکار میں اس آیت سے دلیل پکڑی ہے پس ان کا یہ نظریہ عقلی قیاس پر مبنی ہے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان مردوں سے زیادہ سننے والے نہیں ہیں۔

علامہ داود بن سلیمان البغدادی الحنفیؒ لکھتے ہیں:

"قَالَ ابنُ تَيمِيَّةَ فِي كِتَابِ الانْتِصَارِ لِلإِمَامِ أَحْمَدَ: وإِنكَارُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا سَمَاعَ أَهْلِ القَلِيبِ الكُفَّارِ مَعْذُورَةٌ فِيهِ لِعَدَمِ بُلُوغِهَا النَّصَّ، وغَيرُهَا لَا يَكُونُ مَعْذُورًا.

(المِنْحَةُ الوَهْبِيَّةُ، ص)

ترجمہ:۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الانتصار للامام احمدؒ میں کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

قلیب بدر کے مردوں کے بارے میں سماع کا انکار کرنا عذر کی بناء پر تھا وہ اس میں معذور تھیں کیونکہ ان کو نص حدیث نہیں پہنچی تھی لیکن ان کے علاوہ کوئی اور معذور شمار نہیں کیا جا سکتا۔۔

اور علّامہ آلوسی الحنفیؒ (المتوفی:1270ھ) فرماتے ہیں:

"وَذَهَبَتْ طَوائِفُ مِن أَهْلِ العِلْمِ إِلى سَماعِهِم فِي الجُمْلَةِ، وَقالَ ابنُ عَبدِ البَرّ: إِنَّ الأَكْثَرِينَ عَلى ذٰلِكَ، وَهوَ اخْتِيارُ ابنِ جَرِيرٍ الطَّبَرِيِّ، وَكَذا ذَكَرَهُ ابنُ قُتَيْبَةَ وَغَيْرُهُ.۔۔" (روح المعانی ج6 ص454)

ترجمہ:۔ اہل علم کے کئی طائفے اس طرف گئے ہیں کہ مردے فی الجملہ سنتے ہیں۔ امام ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ علماء کی اکثریت اس پر ہے اور اسی کو امام ابن جریر طبریؒ نے اختیار کیا اور اسی طرح امام ابن قتیبہؒ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

اور محدث دار العلوم دیوبند حضرت مفتی سعید احمد پالنپوریؒ نے بھی اس پر بہترین علمی نقد کیا ہے جس کو ہم وہ خوف طوالت کیوجہ سے ذکر نہیں کر سکتے تفصیل کیلئے خود دیکھے (تحفة القاری شرح صحیح البخاری جلد 4 ص140، کتاب الصلوۃ، الجنائز حدیث نمبر 1371)

ثامنا: ہم نے بحوالہ ابن حجرؒ یہ بات کی تھی کہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ جمہور نے اختلاف کیا تھا جمہور تو کیا خود اماں عائشہؓ کا یہ اجتہاد خود مماتیوں نے بھی تسلیم نہیں کیا، کیونکہ اس روایت کی بنیاد پر مثلاً اماں عائشہؓ قلیب بدر میں مردوں کے سماع کے منکر تھیں اور جب ہم مماتیوں کی کتب مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں حضرت عائشہؓ سے یوں اختلاف موجود ہے کہ نیلوی صاحب ہی لکھتے ہیں:

"نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آواز اُن کافر مُردوں کو سُنادی جو بدر کے میدان میں قتل ہو کر گڑھے میں پھینک دیئے گئے تھے"

(ندائے حق ج2 ص263)

دوسری جلد میں یوں لکھتے ہیں:

"غزوہ بدر میں گندے کنویں میں پڑے ہوئے مشرک مقتولوں نے آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بات سن لی تھی"

(ندائے حق ج3 ص12)

مزید یہی سماع کی بات اسی جلد کے صفحہ 18 میں بھی ہے

اور مزے کی بات یہ ہے کہ نیلوی صاحب نے تو صراحتاً نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے کہا کہ

"حضرت (ﷺ) نے فرمایا آیت ٹھیک ہے البتہ اس وقت یہ مقتولین بس میری بات سن رہے ہیں"

(ندائے حق ج3 ص26)

سبحان اللہ۔۔!

بس بات کنفرم ہو گئی جب نبی کریم ﷺ نے قلیبِ بدر والوں کے متعلق فرمایا کہ سن رہے ہیں تو کسی اور کی بات کب حجت ہے حدیث مرفوع کے مقابلہ میں ؟

الغرض ! جب خود مماتی حضرات بھی حضرت عائشہؓ کے ساتھ موافق نہیں تو پھر اپنی استشہاد کیلئے ان سے دلیل کیوں لاتے ھو۔۔۔؟ فلہذا استدلالِ حضرت عائشہؓ مماتیوں کے لئے مفید نہیں۔

تاسعًا : آپ لوگوں کے لئے اماں عائشہؓ کا استدلال اس لئے بھی مفید نہیں کہ آپ لوگوں نے خود یہ کہا ہے کہ حضرت عائشہؓ قلیب بدر کی سماع والی روایت کو قرآن کے خلاف سمجھتی تھی (ندائے حق ج3 ص158)

اور جبکہ نیلوی صاحب نے اس کے برخلاف اس حدیث کے متعلق یہ لکھا

"اور یہ حدیث آیات قرآنیہ کے موافق ہے"

(ندائے حق ج1 ص331)

عاشراً: مولانا واحد اللہ وحدان صاحب نے اماں عائشہؓ کو نافی سماع موتی ثابت کرنے کے لئے یہ قاعدہ استعمال کیا کہ حضرت عائشہؓ سماع الموتی کی نفی بطریق عموم السلب کرتے ہیں کہ کسی جگہ میں سماع الموتی ثابت نہیں یہ عقیدہ ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا،

اور پھر نیچے لکھا کہ

"سلب العموم۔۔یعنی ہر جگہ سماع ثابت نہیں اور ہم بھی اسی کے قائل ہے"

(منهل العطشان ص36)

تو دیکھیے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بطریق عموم السلب (مطلق وہمہ جہت نفی —یعنی مردے ہرگز، ہرحال میں نہیں سنتے) کا قرار دی اور خود بطریق سلب العموم (عموم کی نفی —ہر مردہ نہیں سنتا (یعنی کچھ مواقع / اشخاص سن سکتے ہیں) قرار دیا۔ جب آپ کے ہاں طریق جُدا جُدا ہے تو آپ لوگوں کا اور بی بی حضرت عایشہؓ کے استدلال کے طریق جدا ہوئے، فلہذا عدم سماع موتی کے مسئلے میں بی بی عائشہؓ کا نام لینا خوش فہمی میں رہنا یا اپنے آپ کو طفلانہ تسلی دینا ہے فقط۔

حادی عشر: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس غیر مفید (للماتیین) دلیل سے آپ لوگوں کا عقیدہ اس لئے بھی ثابت نہیں ہو تاکہ اس میں اتنے احتمالات موجود ہیں جس کا نظارہ آپ لوگوں نے دیکھا تو نیلوی صاحب ہی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یہ آیت بھی کئی معنوں کی محتمل ہے اور احتمال سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا ہے "(ندائے حق ج2 ص16، نیز دیکھیے ج3 ص199)

فلھذا یہ باصول آپ کے بھی آپ کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔

اور رہ گئی بات امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی، تو فی الحال مختصر جواب یہ ہے کہ خود نیلوی صاحب لکھتے ہیں:

"اور حضرت امام اعظمؒ سے صراحۃً کوئی روایت نہیں ملتی، نہ سماع کی اور نہ عدم سماع کی"

(ندائے حق ج3 ص133)

بس ان جوابات پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ ذھن میں تو اور جوابات بھی ہے مثلاً اس کو معجزہ قرار کرکے اس سے پھر استدلال نہ کرنا۔ اگر قارئین کرام تنگ نہ ھونے کا اندیشہ تھا تو اس کو محدثین اور فقہاء سے پیش کرتا کہ کن کن محدثین وفقہاء نے اس سے استدلال کیے ہیں اور یا اماں عائشہؓ کا رجوع وغیرہ،

خلاصة التحقيق

مسئلہ سماعِ موتی صدیوں سے علمی اختلاف کا موضوع رہا ہے اور زمانۂ صحابہؓ سے اس میں آراء کا تنوع موجود رہے۔ یہ اختلاف دراصل سماع کی کیفیت اور دائرہ سے متعلق ہے، نہ کہ اس کی مطلق نفی یا اثبات سے۔

مگر مماتی حضرات نے اس مسئلے کو بنیاد بنا کر تکفیر وتفسیق کا دروازہ کھول دیا اور "مافوق الاسباب سماع" کو شرک و کفر قرار دیا، حالانکہ خود ان کے اکابر نے "خرقاً للعادۃ سماع" کو تسلیم بھی کیا اور ساتھ ہی اس کے کفر ہونے کا فتویٰ بھی صادر کر دیا۔ یوں ان کا اپنا عقیدہ داخلی تضاد کا شکار ہو گیا۔

علاوہ ازیں، "عند القبور" کی قید اور "مواضعِ منصوصہ" کی تاویل محض چالاکی دباؤ کی پیداوار ہیں۔ برزخی معاملات اپنی اصل میں ہی خوارق ہیں، اور اگر بلا اسباب سماع کو صفتِ خاصۂ الٰہیہ مانا جائے تو اس میں مخلوق کو شریک ماننا خود ان کے دعووں کے مطابق شرک کے زمرے میں آتا ہے۔

اس سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مماتیوں کا رویہ علمی اختلاف کو تکفیری ہتھیار بنانے کا ہے، جبکہ امت کے جلیل القدر ائمہ و محدثین نے اس مسئلے کو اختلافی ہی قرار دیا اور کبھی بھی اس کی بنیاد پر تکفیر و تفسیق کا دروازہ نہیں کھولا۔

پس ثابت ہوا کہ:

اصل اختلاف ایک علمی و فقہی بحث ہے۔

تکفیر و تضلیل مماتیوں کی اپنی ایجاد ہے۔

اور ان کے اپنے ہی اقوال و حوالہ جات نے ان کے تضاد کو بے نقاب کر دیا ہے۔

بس اسی پر اکتفاء کرتے ہیں کیونکہ یہاں صرف ایک جھلک دکھانا تھا نا کہ بالاستیعاب بحث کو اکھٹا کرنا۔

اللہ جل شانہ ہمیں دین حق اور علماء دیوبندؒ کے ساتھ وفات تک وابستگی کی توفیق عطاء فرمائے

آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ (قسط:۵)

احادیث کے ردو قبول میں غیر مقلدین کی من مانیاں

غیر متعلق احادیث کو شواہد بنانے کی کوشش

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"یہ جان کر قارئین کو زبیر علی زئی پر ترس آئے گا کہ موصوف نے مطالعہ کی پوری جمع پونجی صرف کرنے اور ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود بھی ان آٹھ (۸) احادیث میں سے صرف اور صرف دو احادیث کو صحیح ثابت کرنے کی ہمت جٹا پائی ہے۔ اور ان میں سے بھی ایک کے بارے میں دبی زبان میں "مرسل" ہونے کا دردناک اعتراف کیا ہے۔ پھر "صحیح شواہد" کے نام پر غیر متعلق احادیث کا حوالہ دے کر سادہ لوح قارئین کو بہلانے کی کوشش کی ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ ساری کدو کاوش امام ابن عدی رحمہ اللہ کا موقف دکھلانے میں نہیں، بلکہ اپنی ذاتی تحقیق پیش کرنے میں صرف کی گئی ہے۔"

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۶۹)

امام ابن عدی کے منہج کی غلط ترجمانی

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

"قارئین! یہ تھیں وہ پانچ مثالیں جنہیں پیش کر کے زبیر علی زئی صاحب نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کے منہج کی غلط ترجمانی کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اَب آگے ان کی مسخرہ پنی دیکھئے۔"

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۷۵)

احادیث صحیحین کی تضعیف والا منہج

سنابلی صاحب نے شیخ زبیر علی زئی کی بابت لکھا:

"جو شخص قلیل التدلیس مدلس کے عنعنہ کو بھی قادح سمجھتا ہے۔ وہ اپنے گریبان میں جھانک کر بتائے کہ صحیحین میں ایسے مدلسین کی معنعن روایات کا کیا بنے گا؟ رہا حضرت کا یہ قاعدہ

بتلانا کہ صحیحین میں مدلس کی معنعن روایات سماع پر محمول ہوتی ہیں۔ توجناب والا! یہ قاعدہ کثیر التدلیس مدلسین کی معنعن روایات سے متعلق ہے۔ رہی قلیل التدلیس مدلس کی معنعن روایات تو صحیحین میں ان سے احتجاج اس بنا پر ہے کہ کیوں کہ وہ محدثین کے یہاں مقبول ہوتی ہیں۔ دکتور عواد الخلف نے صحیحین کے مدلسین پر دو کتابیں لکھی ہیں دونوں میں انہوں نے صرف کثیر التدلیس مدلسین کے عنعنہ ہی کا جواب دیا ہے۔ [روایات المدلسین فی صحیح البخاری، روایات المدلسین فی صحیح مسلم] بنابریں سوچ لیں کہ احادیثِ صحیحین کی تضعیف والا منہج کس کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے؟۔"

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۷۵)

زیادتِ ثقہ سے متعلق زبیر علی زئی کا متروک ومردود اصول

سنابلی صاحب مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

"محدثین کے نزدیک زیادتِ ثقہ کے قبول ورد کا فیصلہ قرائن کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ چناں چہ اُس وقت زیادت ثقہ مقبول ہوتی ہے جب قرائن اس کے موافق ہوں، اور جہاں پر رد کے قرائن ہوں وہاں زیادتِ ثقہ رد کر دی جاتی ہے۔ لیکن محدثین کے اس منہج کے سر تا سر خلاف زبیر علی زئی صاحب زیادتِ ثقہ سے متعلق یہ متروک اور مردود اصول اپنائے ہوئے ہیں کہ اگر ثقہ وصدوق عند الجمہور کی زیادت، اوثق کے سو فی صد مخالف نہ ہو تو یہ محض اس لئے علی الاطلاق مقبول ہوگی کہ کیوں کہ ثقہ وصدوق عند الجمہور نے بیان کیا ہے۔ اپنے اس متروک اور مردود علیہ اصول کو ثابت کرنے کے لئے زبیر علی زئی صاحب نے تین مثالیں پیش کی ہیں......۔"

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۷۸)

ائمہ حدیث کے متفقہ موقف سے روگردانی

سنابلی صاحب نے زیادتِ ثقہ کی بابت ائمہ حدیث کا موقف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کر کے لکھا:

"دیکھا آپ نے! جس موقف کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مذکورہ ائمہ حدیث کا متفقہ موقف بتلا رہے ہیں، زبیر علی زئی صاحب کی نظر میں وہ موقف تمنا عمادی اور بشیر احمد میرٹھی

وغیرہما کا موقف ہے۔لاحول ولا قوۃ الا باللہ! بلکہ حد ہوگئی ائمہ حدیث کے اس موقف کو موصوف منکرین حدیث کے چور دروازہ قرار دیتے ہیں۔ آں جناب کو کون بتلائے کہ ائمہ حدیث کے اس موقف سے بغاوت ہی منکرین حدیث کے لئے چور دروازہ ہے۔"

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۰۲،۱۰۱)

زبیر علی زئی نے منکرین حدیث کے شبہے کو مضبوط کر دیا

سنابلی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"منکرین حدیث کے من جملہ اعتراضات میں ایک مرکزی اعتراض یہ ہے کہ محض رواۃ کے ثقہ ہونے سے ان کے بیان کو صحیح مان لینا گویا ان کو معصوم عن الخطا ماننا ہے کیوں کہ رواۃ ثقاہت وعدالت میں کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہوں لیکن وہ معصوم عن الخطاء نہیں ہیں، اس لئے بشری تقاضے کے مطابق وہ غلطیوں سے بالاتر نہیں ہیں۔ پھر اس شبہے کی بنیاد پر وہ ساری احادیث کو مشکوک ٹھہرا دیتے ہیں۔ اس کا جواب محدثین کے اصول کی روشنی میں یہ ہے کہ محدثین ثقہ رواۃ کو معصوم عن الخطاء نہیں مانتے، اور نہ ہی محض رواۃ کی ثقاہت دیکھ کر صحتِ حدیث کا فیصلہ دیتے ہیں، بلکہ بشری تقاضے کے مطابق ثقہ رواۃ سے بھی غلطی کے امکان کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کی چھان بین کے لئے وہ ایک ثقہ کی روایت کی دیگر ثقاہت کی روایات کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے ہیں اور قرائن کی روشنی میں جہاں ثقہ کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے، اسے رد کر دیتے ہیں۔ اس طرح ثقہ رواۃ سے بشری تقاضے کے مطابق جو غلطیاں ہو سکتی ہیں ان کی نشاندہی کا بندوبست بھی محدثین نے کر دیا ہے۔ اور ثقہ رواۃ کی ایسی غلطیوں کو صحیح احادیث سے الگ کر دیا ہے۔ اس لئے اس شبہ کو بنیاد بنا کر احادیث صحیحہ کو مشکوک قرار دینے کا دروازہ قطعاً بند ہے۔ لیکن زبیر علی صاحب نے زیادتِ ثقہ کو علی الاطلاق مقبول قرار دے کر منکرین حدیث کے اس شبہے کو مضبوط کر دیا ہے کہ بشری تقاضے کے مطابق ثقہ رواۃ کی غلطیوں سے احادیث محفوظ نہیں ہے۔ اَب آپ ہی فیصلہ کریں کہ منکرین حدیث کے چور دروازہ کون کھول رہا ہے؟۔"

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۰۲)

”کانّہ“ سے استدلال بھی، اور اسے اعجوبہ قرار دینا بھی

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”اَب آتے ہیں ”کانّہ“ سے استدلال کی طرف۔ تو آیئے ہم زبیر علی زئی کو آئینہ دکھا دیں۔ موصوف ترکِ رفع الیدین سے متعلق ایک روایت کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ کا موقف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”امام احمد نے گویا اس کا نکار کیا ہے۔[المسائل لاحمد ج ا ص ۳۴۳]زبیر علی صاحب نے جن عربی الفاظ کا ترجمہ تحریر کیا ہے وہ الفاظ ما قبل کے سیاق کے ساتھ یہ ہیں: ”قال ابی ولم یروه عن عاصم غیر ابی بکر النهشلی اعلمه کانه انکره۔(امام احمد کے بیٹے عبد اللہ نے کہا) گویا کہ آپ (امام احمد) نے اسے منکر قرار دیا ہے۔“ ملاحظہ فرمایئے یہاں امام عبد اللہ رحمہ اللہ نے ایک روایت سے متعلق اپنے والد امام احمد رحمہ اللہ کا موقف ”کانّہ“ کے ذریعہ بیان کیا تو زبیر علی زئی صاحب نہ صرف یہ کہ استدلال فرما رہے ہیں بلکہ مخالفین کے خلاف اسے بطور حجت پیش کر رہے ہیں۔ لیکن ٹھیک ”کانّہ“ ہی کے ذریعہ امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ نے امام ابن عدی رحمہ اللہ کا موقف بیان کیا اور ہم نے اسے نقل کر دیا تو زبیر علی زئی صاحب کی نظر میں اعجوبہ بن گیا! سبحان اللہ! اگر یہی حرکت کسی اور نے کی ہوتی تو زبیر علی زئی صاحب بلا جھجک اس پر دوغلی پالیسی کا الزام جڑ دیتے۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۱۳)

جھوٹی روایت سے استدلال

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”ویسے یزید سے متعلق بے سند بات کے رَد کرنے کا دعویٰ محض نام نہاد اور جھوٹے معیار کی نمائش ہے، اور سچائی یہ کہ زبیر علی زئی صاحب نے یزید کے خلاف صرف بے سند ہی نہیں بلکہ ضعیف السند حتی کہ جھوٹی اور من گھڑت روایت سے بھی استدلال کیا ہے۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۳۰)

ہر مدلس کے ساتھ عن عن کا رٹا

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”اَب زبیر علی زئی صاحب یہ بتائیں کہ ان کے پاس کہاں سے یہ وحی آگئی کہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے جو روایت ذِکر کی ہے، وہ منقطع سند والی ہے؟؟؟ کتنی ہوشیاری سے محترم نے البدایہ والنھایہ سے صرف منقطع سند کا حوالہ دے کر قارئین کو یہ چکمادینے کی کوشش کی ہے کہ مسند ابو یعلی میں ابو مسلم الجذمی والی کوئی سند ہے ہی نہیں! واہ! احادیث کی تحقیق میں ہر مدلس کے ساتھ عن عن کا رٹا لگا کر خود بھی سراپا مدلس بن گئے!۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۳۴)

اپنا آئینہ دیکھئے

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”زبیر علی زئی صاحب اپنی ایک کتاب میں، ترک رفع الیدین سے متعلق حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تضعیف کرنے والوں میں امام محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ کا نام شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:”ثم لایعود (وغیرہ) الفاظ کے ساتھ ترکِ رفع الیدین کی جو حدیث مروی ہے، امام محمد بن نصر المروزی نے ان الفاظ کی تضعیف پر خاص توجہ دی۔ دیکھئے الوھم والایھام (۳۶۶/۳، ۳۶۵) اور ظاہر ہے کہ چار پائی پر جس طرف سے بھی لیا جائے، کمر درمیان میں رہتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ امام محمد بن نصر المروزی کا نام جارحین میں صحیح نہیں ہے۔ تو عرض ہے کیوں؟ کیا وہ ترکِ رفع الیدین کی روایتِ مذکورہ کو صحیح کہتے تھے؟ حوالہ پیش کریں!!“[نور العینین جدید ایڈیشن صفحہ ۴۲۲، ۴۲۱] ہم کہتے ہیں کہ امام سیوطی نے مسند ابو یعلی سے ابو ذر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کر کے اسے ضعیف کہا ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ مسند ابو یعلی میں موجود ابو مسلم الجذامی والی سند کے ساتھ سیوطی نے ضعیف نہیں کہا تو بتلایئے کہ کیا سیوطی اسے صحیح کہتے تھے؟ حوالہ پیش کریں!!۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۳۵)

مبنی بروہم اور غلط سند پر پھولے نہیں سمارہے

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”امام سیوطی رحمہ اللہ شواہد و متابعات کے پیشِ نظر بھی حدیث کی تصحیح و تحسین کرتے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے، وہ سند کی اس کیفیت کو کوئی اہمیت نہیں دے رہے ہیں، کیوں کہ یہ کیفیت مبنی بر غلط اور راوی کے وہم کا نتیجہ ہے۔ لیکن زبیر علی صاحب کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ وہ ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی صرف وہ سند لے کر بیٹھ گئے جو مبنی بر وہم و غلط تھی۔ اور اسی پر پھولے نہیں سما رہے ہیں۔ حضرت! صرف ایک سند وہ بھی مبنی بر غلط سند سے چپک کر حدیث پر حکم لگانا یہ اہلِ علم کا طریقہ کار نہیں ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ آپ سے کہیں زیادہ سندوں سے واقفیت رکھتے تھے اور آپ سے کہیں زیادہ اُصولِ حدیث کی بھی خبر رکھتے تھے ان کی کتاب ”تدریب الراوی“ جامعات کے نصاب میں شامل ہے۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۳۶)

پھسپھسے دلائل کے ساتھ زہد و تقوی کی دہائی

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”یہی اعتراض موصوف نے ابتداء میں پیش کیا، جس کا مفصل جواب گذر چکا ہے۔ یہاں آں جناب نے محاسبہ خوف دلاتے ہوئے یہی اعتراض دہرایا ہے۔ عرض ہے کہ جب دلائل پھسپھسے ہوں تو زہد و تقویٰ کی دہائی دے کر اور محاسبہ کا خوف دلا کر ان میں وزن پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ نادان لوگ ہی اس طرح کے مصنوعی جذبات سے مرعوب ہو سکتے ہیں، اہلِ علم بحث و مباحثہ میں جذبات نہیں، صرف دلائل دیکھتے ہیں۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۳۷)

جرح کو رد کرنے کے لئے مغالطہ بازی

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”زبیر علی زئی صاحب نے دو مثالیں پیش کر کے قارئین کو اس مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اسلوبِ کلام سے حدیثِ یزید پر کوئی جرح ثابت نہیں ہوتی ہے۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۴۳)

مقصود پر پردہ ڈال کر الو سیدھا کیا

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”اس مکمل حوالے سے آں جناب کی اس تدلیس کا پردہ چاک ہو گیا...... امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث صرف ”عبد الوارث“ کی سند سے بیان کی ہے اور اسے بیان کرنے کے بعد آگے عبد الوارث کی متابعت کے لئے ”ابراہیم بن طھمان“ کی حدیث کا تعلیقاً ذِکر کیا ہے۔ لیکن زبیر علی زئی صاحب نے ایک سانس میں مسند اور معلق روایت کا تعلق کر کے امام بخاری رحمہ اللہ کے اَصل مقصود پر پردہ ڈال دیا، تاکہ اپنا اُلو سیدھا کر سکیں۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۴۵)

امام ضیاء المقدسی کی طرف تصحیح روایت کی غلط نسبت

شیخ زبیر علی زئی نے لکھا:

”اس روایت کی سند صحیح یا حسن لذاتہ ہے۔ اسے ابن حبان ...... اور ضیاء المقدسی ...... نے صحیح قرار دیا۔“

(مقالات:۶/۴۰۳)

سنابلی صاحب نے مذکورہ دونوں حوالوں پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

”ابن حبان کی اس روایت کو علامہ البانی نے صحیح ابن حبان کی تعلیق (۱۰/۱۱) میں شاذ قرار دیا ہے۔ ...... ضیاء مقدسی رحمہ اللہ کی طرف اس تصحیح کی نسبت محل نظر ہے کیوں کہ ضیاء مقدسی نے یہ روایت درج کرنے کے بعد اس پر امام ترمذی رحمہ اللہ کی جرح نقل کی ہے اور کوئی اختلاف نہیں کیا۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۴۷)

مخالف روایت اپنے حق میں پیش کر دی

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”زبیر علی زئی صاحب نے بزعمِ خویش یہ روایت اپنے حق میں پیش کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ان کے مقصود کے خلاف ہے، بلکہ ہمارے موقف کی زبردست مؤید

ہے۔اس لئے ہم نے اسے اپنے موقف کی وضاحت میں پیش کردہ مثالوں میں پیش کیا ہے۔''
(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۴۸،۱۴۷)

باطل اصول کی غلاظت سے آلودہ دامن

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

''صحیح بخاری کی حدیث پر بات ہوچکی ہے کہ وہ بے شک صحیح ہے اور اس سے متعلق امام بخاری کا قول نقل کرنے میں زبیر علی زئی صاحب نے خیانت و مغالطہ سے کام لیا۔ رہی ترمذی کی روایت تو اس کے ضعیف ہونے میں ہمیں ذرا برابر بھی شک نہیں۔ اور ماقبل میں حوالے پیش کئے جاچکے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ، امام ابوحاتم رحمہ اللہ، امام دارقطنی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیر ہم نے اسے مرسل و منقطع یعنی مردود قرار دیا ہے۔ اَب قارئین خود فیصلہ کریں کہ سبیل المجرمین پر کون رواں دواں ہے؟ اور باطل اصول کی غلاظت سے کس کا دامن آلودہ ہے؟ الغرض یہ کہ یہ روایت مرسل و منقطع ہونے کے سبب ضعیف و مردود ہے، اور اسی طرف حافظ ابن حجر و امام بزار نے اشارہ کیا ہے۔ لہذا اس مثال سے زبیر علی زئی صاحب کا مقصود ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس سے ہماری ہی تائید ہوتی ہے۔''

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۵۲،۱۵۱)

سنابلی صاحب نے دوسری جگہ علی زئی کی تردید میں لکھا:

''حیرت ہے کہ جو شخص خود گھڑنتو اور خود ساختہ اُصولوں کی تمام تر غلاظتوں سے لت پت ہو، وہ نہ جانے کس منہ سے دوسروں کے منہج پر انگلیاں اُٹھا رہا ہے۔''
(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۷۱)

اہل علم کی طرف شاذ اور متروک اصولوں کو منسوب کرنے میں تدلیس و تلبیس اور دجل و فریب کی ساری حدیں پار

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

''بہتان و افتراء کا سہارا لے کر ہمارے حوالوں پر ماتم کرنے کی بجائے اپنا گریبان اپنے ان حوالوں پر چاک کیجئے جن میں اہلِ علم کی طرف شاذ اور متروک اصولوں کو منسوب کرنے

میں آپ نے تدلیس و تلبیس اور دجل و فریب کی ساری حدیں پار کر دیں ہیں۔ مثال کے طور پر مسئلہ تدلیس میں آں جناب نے چالیس (۴۰) کبار و صغار اہلِ علم پر نمبرز قائم کر کے ان کی طرف اپنے موقف کو منسوب کیا ہے۔[دیکھئے : نور العینین، جدید ایڈیشن (ص ۴۵۷ تا ۴۷۰)] حالاں کہ ان کا یہ موقف چالیس تو دُور کی بات ان میں سے کسی چار سے بھی بمشکل ہی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ پھر بقیہ حوالوں کو موصوف ہی کے اصول کی روشنی میں ان کے ''مجموعۂ اکاذیب'' میں شمار کرنے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔''

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۵۳)

ایک اور دوغلہ پالیسی

سنابلی صاحب نے لکھا:

''ہم نے کہیں بھی اس سند کے رواۃ کی تضعیف نہیں کی، ہاں صرف ایک راوی کو متکلم فیہ بتلایا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اسے ثقہ ہی تسلیم کیا ہے۔''

اس پر علی زئی نے یوں تبصرہ کیا:

''یہ اسی طرح کا بیان ہے جیسا کہ سلطان پشاوری نامی چور پکڑا گیا اور اس سے مال مسروقہ بر آمد ہو گیا تو اس کے باوجود اس نے کہا: میں بے گناہ ہوں۔''

(مقالات:۶/۶۶۶،۶۶۵)

سنابلی صاحب نے علی زئی کی مذکورہ بات کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

''رہی بات چوری پکڑنے کی تو یہ خالص افتراء و جھوٹ اور مکاری ہے۔ ہم نے بار بار پوری صراحت کے ساتھ وضاحت کی کہ عبد الوہاب الثقفی کو ہم نے صرف متکلم فیہ کہا ہے۔ اور اسے ثقہ ہی مانتے ہیں، ضعیف نہیں گردانتے۔[دیکھئے یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ (ص ۸۳، ص ۱۶۲، ۱۶۱)] لیکن پھر بھی اعلی حضرات کی بہتان تراشی جاری ہے۔ بلکہ اس بار تو انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ اسے چوری کا نام دے دیا گیا۔ اگر ایسے ہی چوری کا الزام لگایا جاتا ہے تو آیئے ہم زبیر علی زئی صاحب کو ہی چور ثابت کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: زبیر علی زئی نے ایک مقام پر لکھا: '' حافظ بزار بذاتِ خود متکلم فیہ ہیں ۔'' [ماہ نامہ '' الحدیث '' (شمارہ ۲۳، ص

۲۸)۔ فتاوی علمیہ المعروف بہ توضیح الاحکام (۱/۱۲۱،۱۲۰)] اس پر بعض الناس نے یہ کہہ دیا کہ زبیر علی زئی صاحب محدث بزار کی توثیق کے قائل نہیں ہیں تو بعض الناس کی اس بات پر رَد کرتے ہوئے زبیر علی زئی صاحب نے کہا: ''بعض الناس نے میرے بارے میں جھوٹ بولا ہے کہ میں محدث بزار کی توثیق کا قائل نہیں ہوں، یقیناً انہیں ایک دِن اس جھوٹ کا حساب دینا پڑے گا۔[مقالات: (۱۳۹/۳)، نور العینین جدید ایڈیشن (۴۱۸)] عرض ہے کہ بعض الناس کے الزام کا جواب دیتے ہوئے آپ نے جو صفائی پیش کی ہے آپ کے اصول کی روشنی میں یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی چور پکڑا جائے اور اس کے پاس مال مسروقہ برآمد ہو جائے تو وہ کہنے لگے: میں بے گناہ ہوں!! فرمایئے حضرت جی! اپنے ہی اُصولوں سے چور ثابت ہوئے یا نہیں! اَب دوسروں پر چوری کا اتہام لگانے کے بجائے اپنا ہاتھ قلم کروایئے!۔''

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۵۳)

احادیث پر حکم لگانے میں سب سے زیادہ منفرد فیصلے

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

''اگر تحقیقِ حدیث میں مخالف رائے رکھنے والا آپ کی نظر میں جھوٹا کہلاتا ہے تو پھر آپ کے اکاذیب کو شمار کرنے کے لئے دفاتر درکار ہوں گے کیوں کہ احادیث پر حکم لگانے کے سلسلے میں سب سے زیادہ منفرد فیصلے آپ ہی سے صادر ہوئے ہیں۔''

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۵۹)

عدم تعلیل کی بھونڈی دلیل

شیخ زبیر علی زئی نے لکھا:

''رہا ابن عساکر کا یہ کہنا کہ: ''زاد فيه ابا مسلم'' انہوں (عبدالوہاب ثقفی) نے سند میں ابو مسلم کا اضافہ بیان کیا ہے، اس حدیث کی تعلیل نہیں ہے۔ خود ابن عساکر نے عبدالوہاب الثقفی کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''هذا حديث صحيح'' کہا۔ یعنی وہ ابن عساکر کے نزدیک ثقہ صدوق صحیح الحدیث تھے۔''

(مقالات: ۶/۴۰۵)

سنابلی صاحب نے علی زئی کی مذکورہ بات کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

"عدم تعلیل کی اس بھونڈی دلیل پر سر پیٹ لینے کا مقام ہے، کیوں کہ تعلیل پر استدلال کی بنیاد عبد الوہاب کی تضعیف پر نہیں بلکہ "ابو مسلم" کا اضافہ بیان کرنے میں اس کی تغلیط پر ہے ۔ لہذا امام ابن عساکر رحمہ اللہ کی نظر میں عبد الوہابت الثقفی ثقہ وصدوق ہیں تو یہ اس چیز سے مانع نہیں ہے کہ ابن عساکر رحمہ اللہ اس کی تغلیط نہ کریں کیوں کہ ثقہ وصدوق راوی بھی غلطی کر جاتا ہے یہ مسلمہ حقیقت ہے، اس کا کوئی احمق ہی انکار کر سکتا ہے۔"

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۶۶)

محدثین کے اُصولوں سے انحراف

سنابلی صاحب نے علی زئی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا:

"یاد رہے کہ آپ کا یہ دعوی قطعاً درست نہیں کہ اصول حدیث کی رُو سے یہ حدیث حسن لذاتہ (ہے)۔ آپ جن اُصولوں کے تحت اس حدیث کو حسن کہہ رہے ہیں، وہ محدثین کے اُصول نہیں بلکہ آپ کے اپنے اصول ہیں۔ نیز یہ کہنا کہ "کسی نے بھی اسے ضعیف، مردود، موضوع یا من گھڑت نہیں کہا۔" نصف النہار میں چمکتے سورج کا انکار ہے۔ گذشتہ سطور میں تفصیلات پیش کی جاچکی ہے بلکہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے تو اس مضمون کی ہر حدیث کو جھوٹی یعنی موضوع اور من گھڑت قرار دیا کما مضی۔"

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۷۳)

زیادتِ ثقہ کی بابت شاذ ومردود منہج

سنابلی صاحب نے علی زئی کو مخاطب کر کے لکھا:

"علامہ البانی رحمہ اللہ آپ کی طرح زیادتِ ثقہ سے متعلق شاذ ومردود منہج پر نہیں تھے، بلکہ وہ قرائن کی روشنی میں زیادتِ ثقہ کے قبول ورد کا فیصلہ کرتے تھے۔"

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۷۴)

روایت پر پردہ ڈالنے کی کوشش

سنابلی صاحب نے علی زئی کے متعلق لکھا:

”آپ روایت کے بدبودار حصہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ تاکہ قارئین اس سے متنفر نہ ہوں۔ لیکن آپ کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوگی اور صحابی رسول کی توہین کرنے والی یہ گھٹیا اور بکواس روایت اُمت کی نظر میں مردود ہی رہے گی، ان شاء اللہ۔ اس روایت پر لگایا ہوا یہ ناپاک دھبہ دھونے کے لئے آں جناب نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیل رہے ہیں !!! حقیقت یہ ہے کہ یہ الفاظ نہ تو ابو ذر رضی اللہ عنہ کے ہیں، نہ ہی ابو مسلم کے ہیں بلکہ سبائی خبیث کے ہیں جو اس سند سے ساقط ہے اور عبد الوہاب الثقفی نے غلطی سے اس جگہ ابو مسلم کا نام لے لیا۔ افسوس ہے کہ ایک عظیم صحابی کے خلاف ایک سبائی بدبخت کی من گھڑت خرافات و بکواس کو ثقہ رواۃ کے سر ڈل کر اسے اجتہادی غلطی کا تقدس دیا جا رہا ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۷۵)

روایت میں تحریف وکذب بیانی

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”رہی بات توہین صحابہ کے شبہے سے بچنے کے لئے ترجمہ میں تبدیلی کی، تو حضرت! سبائیوں کی وضع کردہ ایسی خرافات پر ایمان ہی کیوں لاتے ہیں جن سے صحابہ کی توہین کا شبہ ہوتا ہے ؟ اگر واقعی آپ صحابہ کی توہین سے بچنا چاہتے ہیں تو ان بے ہودہ الفاظ ہی کو سرے سے موضوع و من گھڑت قرار دیں، کیوں کہ اصولِ حدیث اور محدثین کے اقوال کی روشنی میں یہ الفاظ قطعاً مکذوب و گھڑنت ہیں اور اگر روایت آپ کی نظر میں صحیح ہے تو یہ آپ کے تبصرہ اور سکوت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ روایت میں ایک فعل کو جن الفاظ میں راوی نے بیان کیا ہے اس کے ترجمہ کا مسئلہ ہے۔ لہٰذا دوسرے راوی کے بیان کردہ الفاظ کا ترجمہ بدل کر اصل روایت میں تحریف و کذب بیانی کا اختیار آپ کو قطعاً حاصل نہیں ہے۔ نیز آپ نے اس لفظ کا ترجمہ بدل دیا لیکن کیا یہ لفظ اپنے تبدیل شدہ ترجمہ کے ساتھ روایت میں بیان کردہ سیاق کے ساتھ فٹ ہوگا؟ ترجمہ بدلنے کے لئے صرف جذباتی دلیل کافی نہیں ہے بلکہ لغت اور سیاق و سباق سے اس کی دلیل بھی درکار ہے۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۷۷،۱۷۶)

غلط ترجمہ

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے کسی صحابی سے متعلق لوٹ مار کی تہمت والی روایت مل جائے تو اسے صحیح قرار دے کر لوٹ مار والے الفاظ کا ترجمہ صدقہ و خیرات کر دیا جائے۔ بھائی! کچھ بھی ترجمہ کرنے کے لئے لغت اور سیاق وسباق کے اعتبار سے گنجائش نکلنی چاہیے۔ نیز آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں (کہ) عربی جاننے والے دنیا میں بہت سے لوگ موجود ہیں، آپ کی طرح سب تو یہ غلط ترجمہ نہیں کریں گے، ان کا کیا بنے گا؟ بالخصوص وہ لوگ جو صحابہ کے خلاف زبان درازیاں کرتے ہیں، آپ انہیں جذباتی دلیل سے تو قائل نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو لغت اور سیاق اور سباق سے دلائل طلب کریں گے، اس طرح کسی رافضی نے اگر بطور الزام آپ کے خلاف یہ روایت پیش کر دی تو آپ اسے کیسے قائل کریں گے، اس کے سامنے غلط ترجمہ کرنے کا کیا جواز پیش گے؟ اپنے جذبات یا لغت و سیاق کے دلائل؟ علاوہ بریں کہ پوری دنیا میں سب کے سب صرف ترجمہ ہی پر تھوڑی گذارا کرتے بلکہ بہت سارے لوگوں کی مادری زبان ہی عربی ہے ان سے جب کہا جائے گا کہ یہ روایت صحیح ہے تو وہ اس بکواس والے حصہ کا کیا کریں گے؟۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۷۹،۱۷۸)

منکرین حدیث کے نقوشِ قدم پر

شیخ زبیر علی زئی نے لکھا:

”واللہ! یہ حوالے بادلِ نخواستہ لکھے ہیں، تاکہ منکرین حدیث کے نقوش قدم پر چلنے والے سنابلی صاحب کو آئینہ دکھایا جائے سنابلی صاحب کو چاہیے کہ وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ کی مذکورہ احادیث کو موضوع اور من گھڑت قرار دیں، ورنہ وہ اپنے دعوے اور منہج میں کاذب ہیں۔“

(مقالات:۶/۴۰۸)

سنابلی صاحب نے علی زئی کی مذکورہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے جواب دیا:

”آپ آئینہ دکھا رہے ہیں یا آئینہ دیکھ رہے ہیں؟ بے شرمی اور بے حیائی کی بھی حد ہوتی ہے۔ کتنی ڈھٹائی سے آپ نے وہ ناپاک و نجس کردار میری طرف منسوب کیا ہے جو خود آپ کا خاصہ ہے اور آپ کے اس خاصہ پر آپ ہی کے استاذِ محترم محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے آپ کو پھٹکار پلائی ہے۔ اتنی جلدی آپ بھول گئے! کوفیوں اور سبائیوں کی طرح خود پاپ کرکے الزام دوسروں کے سر تھوپنا بند کیجئے اور اپنی گریبان میں جھانکئے!۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۷۹)

احادیث پر ہاتھ صاف کر دیا

سنابلی صاحب نے علی زئی کو مخاطب کرکے مزید لکھا:

”اعمش عن ابی وائل شقیق کی سند سے ایک حدیث ...... میں آپ کو یہ مل گیا کہ ایک صحابی کو دوسرے صحابی نے منافق کہہ دیا۔ تو اس منافق والے جملہ کو دلیل بنا کر آپ نے صرف ایک حدیث نہیں بلکہ اعمش عن ابی وائل شقیق کی سند سے آنے والی تمام احادیث پر ہاتھ صاف کر دیا۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۷۹)

منکرین حدیث کے صف اول میں جگہ بنالی

سنابلی صاحب آگے لکھتے ہیں:

”چنانچہ آپ نے لکھا: اگر اعمش کی ابو وائل شقیق سے معنعن روایت کو مطلقا سماع پر محمول کیا جائے تو ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے ......(جو) صحیح عقیدے کے لحاظ سے باطل ہے، لہٰذا حافظ ذہبی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔[ہفت روزہ الاعتصام اگست ۱۹۹۹ء ص: ۱۸ بحوالہ مقالاتِ راشدیہ (۳۳۹/۱)] آخری جملہ قابل غور ہے: ”لہٰذا حافظ ذہبی کا دعوی صحیح نہیں ہے“ یعنی آپ نے نفاق والی بات کو دلیل بنا کر حافظ ذہبی کے دعوی کی تردید کی ہے اور دعوی اعمش کی ابو وائل شقیق سے معنعن روایات کی صحت کا ہے۔ گویا آپ نے نفاق والی بات کو دلیل بنا کر صرف ایک نہیں بلکہ اعمش عن ابی وائل شقیق والی تمام احادیث کا انکار کرکے منکرینِ حدیث کے صفِ اول میں جگہ بنالی ہے۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۷۹)

انکارِ حدیث کے دلدل میں پھنسے ہوئے

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”...... چلو بھر پانی میں ڈوب مرنے کی بات ہے کہ منکرینِ حدیث کے نقوش قدم پر خود رواں دواں ہو کر اس گھناؤنی حرکت کو دوسروں کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ زبیر علی زئی صاحب انکارِ حدیث کے دلدل میں خود پھنسے ہوئے ہیں جس کا الزام باطل طور پر وہ ناچیز کے سر ڈال رہے ہیں۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۸۱، ۱۸۰)

ایک مزید دوغلی پالیسی

سنابلی صاحب لکھتے ہیں:

”سب سے پہلے تو آں جناب کی دوغلی پالیسی دیکھئے کہ ابن طاہر رحمہ اللہ نے ”کانّہ“ کے ذریعہ ایک بات کہی تھی جو صحیح بنیاد پر تھی لیکن زبیر علی زئی صاحب نے ”کانّہ“ کی وجہ سے اس بات کو یکسر کر دیا۔ لیکن یہاں یزید کے خلاف قرطبی رحمہ اللہ نے ”کانّہ“ کے ذریعہ بے دلیل ایک بات کہہ دی تو آں جناب نہ صرف یہ کہ اس بات کو قرطبی رحمہ اللہ کا موقف مان کر قرطبی کی طرف مسنوب کر رہے ہیں بلکہ اس پر آمنا وصدقنا بھی کہہ رہے ہیں، سبحان اللہ۔“

(حدیث یزید محدثین کی نظر میں صفحہ ۱۸۷)

(جاری)

محترم ابو سعد لئیق رحمانی صاحب حفظہ اللہ

دفاع نہیں، اقدام کا وقت ہے

علماء و مناظرین کی خدمت میں چند سنجیدہ معروضات

کسی دیوبندی شخص کا دیوبندیت چھوڑ کر بدعتی بن جانا افسوس ناک امر ہے، مگر ہمیں اس پر افسوس کرنے سے زیادہ اپنا طرز فکر بدلنے پر غور کرنا ہوگا، تاکہ مستقبل میں پھر کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہو۔ ایک مدت گزر چکی ہے کہ ہم اپنے اکابر کی عبارات پر صفائی دیتے چلے آرہے ہیں۔ ہر اعتراض کے بعد وضاحت، ہر شوشے کے جواب میں تاویل، اور ہر ہنگامے کے بعد دفاعی بیانیہ۔ مگر سوال یہ ہے کیا اس طرزِ عمل نے عام لوگوں کو قائل کیا؟ کیا اس حکمت عملی نے فتنے کا دروازہ بند کیا___؟ میرا جواب نفی میں ہے۔ اس طرزِ عمل سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ ہم اپنی دفاعی جنگ جیت گئے اور دشمن کو بیک فٹ پر لے آئے، مگر جہاں تک سوال عوام کی الجھن کو اطمینان میں بدلنے کا ہے تو میرا خیال ہے ہم اس میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہوئے۔

کیونکہ ہم دفاعی طرز پر ہزار کتابیں لکھ لیں لاکھ تقریریں کرلیں سینکڑوں مناظرے کرلیں مگر اہل بدعت پھر وہی عبارات بار بار دہرا کر شور مچاتے ہیں اور ہم وہی وضاحتیں صفائیاں دہراتے رہتے ہیں۔ نتیجہ؟ عوام الجھن کا شکار، اور ہم مسلسل دفاعی پوزیشن میں!

مگر اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی حکمتِ عملی بدلیں۔ دفاعی مورچوں سے نکل کر اقدامی بیانیے کی طرف بڑھیں۔ ہمارے پاس اہل بدعت کے عقائد کے خلاف اتنا مواد موجود ہے جو ان کے مذہب کی جڑیں ہلا دینے کے لیے کافی ہے۔ مگر افسوس! ہم نے اپنی توانائیاں صرف صفائیاں دینے میں لگا دیں، جبکہ ان کے کفری، شرکی اور رافضی نظریات پر عوامی زبان میں تنقید کرنے سے گریز کیا۔

ہمیں سمجھنا ہوگا کہ عوام اعتراض کو جلدی سمجھتی ہے، مگر علمی وضاحت ان کے فہم سے اوپر ہوتی ہے۔ اگر عوام کو بتایا جائے کہ فلاں گروہ اللہ تعالیٰ کے اختیارات کو بندوں میں بانٹتا ہے۔ یا، رسول اللہ ﷺ کو حاضر و ناظر مان کر غلو میں مبتلا ہے، یا فوت شدگان بزرگوں سے فریادیں کرتا ہے، تو یہ باتیں عوام کے دل کو لگتی ہیں۔ لہٰذا آج کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے عوام کو یہ سکھائیں کہ اہل بدعت سے یا رسول اللہ مدد، یا غوث الاعظم مدد، یا غریب نواز

کہنے دلیل مانگو! نبی کو حاضر ناظر ماننے کا ثبوت طلب کرو! غوثِ اعظم مشکل کشا کا عقیدہ قرآن و حدیث سے دکھانے کا مطالبہ کرو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب ہیں اس پر قرآن و حدیث سے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ کرو!

جب ہم ہمیشہ دفاعی پوزیشن میں رہتے ہیں تو عوام میں یہ تاثر پھیلتا ہے کہ شاید اعتراضات درست ہیں اور ہم مجرم کی طرح صفائی دیتے پھر رہے ہیں۔ نتیجتاً، سچ اپنی اصل صورت میں پہنچنے کے بجائے وضاحتوں کی دھند میں چھپ جاتا ہے۔ اس کے برعکس جب ہم اقدام کی راہ اپناتے ہیں، باطل نظریات پر کھل کر بات کرتے ہیں، ان سے دلائل طلب کرتے ہیں اور عوام کے سامنے قرآن و سنت کی روشنی میں باطل عقائد کی حقیقت رکھتے ہیں تو سچ خود بولنے لگتا ہے، اور حق کی دعوت سننے والے کے دل پر اثر کرتی ہے۔ یہی طریقہ صحابہ و تابعین کا تھا باطل کو باطل کہہ کر رد کرنا، اور عام لوگوں کو واضح اور دو ٹوک حق بتانا۔

میں خود پہلے بریلوی تھا، اور بریلویت کی جڑیں میرے ذہن و دل میں مضبوطی سے پیوست تھیں۔ لیکن میری زندگی کا رخ اس وقت بدلا جب میں نے کٹیہار میں ہونے والا ایک تاریخی مناظرہ سنا، جو حضرت اقدس مولانا قاسم نانوتویؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "تحذیر الناس" کے موضوع پر تھا۔ اس مناظرے میں دیوبندی مناظر حضرت علامہ سید طاہر حسین گیاوی رحمہ اللہ کا طرز اگرچہ دفاعی بھی تھا، لیکن جس چیز نے مجھے جھنجھوڑا، میری سوچ بدل دی، اور مجھے توبہ پر آمادہ کیا، وہ مولانا گیاوی رحمہ اللہ کا اقدامی طرزِ بیان تھا۔ ان کی جرأت، استدلال اور باطل پر دو ٹوک حملے نے میرے دل میں پہلی بار حق کی روشنی پیدا کی۔ اس تجربے نے مجھے سکھایا کہ منہجِ اقدام صرف دعوت کا طریقہ نہیں، بلکہ دلوں کو بیدار کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت علامہ ساجد خان نقشبندی صاحب دامت برکاتہم سے میری عقیدت بلاوجہ نہیں ہے، بلکہ حضرت کی معرکۃ الآرا کتاب "دفاع اہل السنّۃ والجماعۃ" کا جب میں نے مطالعہ کیا تو اس میں سب سے اچھی بات جس نے مجھے حضرت کا گرویدہ بنایا، وہ یہی طرزِ اقدامی تھا، اگرچہ حضرت نے یہ کتاب دفاع میں لکھی مگر دفاع کے ساتھ ہی اہل بدعت پر ایسے شدید حملے کیے کہ بدعتی گروہ آج تک تلملا رہا ہے۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ اہل بدعت کی طرف سے "دفاع" کے جواب میں جو کتاب مرتب کی گئی اس کا نام ہی "تحفظ اہلسنت" رکھا گیا۔ گویا حضرت نقشبندی نے بدعتی حملہ آوروں کو اپنے دفاع و تحفظ کی فکر میں لگا دیا۔

عباراتِ اکابر کی صفائی دیتے دیتے ایک صدی گزر گئی، اب وقت ہے کہ بدعتیوں سے ان کے عقائد کی صفائی مانگی جائے۔ اب ہم صرف مدافع نہیں، بلکہ مجاہدِ فکر بنیں، جو باطل پر ضرب لگاتا ہے، اور عوام کو فرقہ واریت سے نکال کر سچائی کے قریب لاتا ہے۔

امید ہے ہمارے مناظرین اس پر غور فرمائیں گے اور اپنا طرز بدلنے کی کوشش کریں گے۔ والسلام

ضروری اعلان

مجلّہ راہِ ہدایت دسمبر ۲۰۲۵ء کا شمارہ ان شاءاللہ مسئلہ تقلید پر خصوصی نمبر کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ علماء کرام سے درخواست ہے کہ مسئلہ تقلید پر اپنے گراں قدر مضامین اشاعت کے لئے ہمیں ارسال فرمائیں۔

عنوانات

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف ، تقلید کا ثبوت آیات قرآنیہ سے ، تقلید کا ثبوت احادیث مبارکہ سے ، تقلید کا ثبوت اجماع امت سے ، تقلید کا ثبوت اقوال صحابہ سے ، تقلید کا ثبوت علماء کرام سے ، تقلید کا ثبوت غیر مقلدین سے ، تقلید پر اعتراضات کے جوابات ، ترکِ تقلید کے نقصانات ، مشہور محدثین کا فقہی مذہب ، مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا ، مولانا وحید الزمان صاحب غیر مقلد تھا ، وغیرہ

مضامین بھیجنے کا طریقہ کار

اپنے مضامین ان پیج فائل ، ورڈ فائل یا ٹیکسٹ پیغام کی صورت میں درج ذیل نمبر پر ارسال فرمائیں۔

03428970409

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، مدیر اعلی مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ

غیر مقلدین کا نمازِ نبوی سے اختلاف

منی کی نجاست

حدیثِ نبوی: ڈاکٹر شفیق الرحمن صاحب غیر مقلد نے مرکزی عنوان ''نجاستوں کی تطہیر کا بیان'' قائم کر کے اس کے ذیل میں لکھا ہے:

''امی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول ﷺ کے کپڑے سے منی دھو دیتی تھی اور آپ اس کپڑے میں نماز پڑھنے تشریف لے جاتے تھے جبکہ دھونے کا نشان کپڑے پر ہوتا تھا''

(نمازِ نبوی صفحہ ٦٧)

یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے۔ (حاشیہ نماز نبوی)

منی کو دھو دینے والی اس حدیث کو ڈاکٹر صاحب ''نجاستوں کی تطہیر کا بیان'' کے تحت لائے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منی ناپاک ہے۔

غیر مقلدین: لیکن اس حدیث کے بر خلاف غیر مقلدین کی رائے یہ ہے کہ منی پاک ہے۔

(بدور الاہلہ ص:۵۱۔ عرف الجادی ص:۱۰۔ کنز الحقائق، ص:۱۶۔ نزل الابرار ار ۴۹)

عبد الرؤوف سندھو صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''منی ناپاک نہیں۔''

(احناف کی چند کتب پر ایک نظر صفحہ ۱۵۸)

کتے کا جھوٹا پانی

حدیثِ نبوی: ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال جائے تو برتن کو سات دفعہ دھولے اور پہلی بار مٹی سے مانجھے۔''

(نمازِ نبوی صفحہ ٦٨)

صاحبِ حاشیہ نے اس حدیث کے ذیل میں مسلم شریف کا حوالہ دیا ہے۔(حاشیہ نمازِ نبوی)

ڈاکٹر صاحب اس حدیث کو ''نجاستوں کی تطہیر کا بیان'' کے تحت لائے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔

غیر مقلدین: لیکن اس کے برعکس بہت سے غیر مقلدین کی رائے یہ ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

امام آلِ غیر مقلدیت وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

''لوگوں نے کتے، خنزیر اور ان کے جھوٹے کے متعلق اختلاف کیا ہے زیادہ راجح بات یہ ہے کہ ان کا جھوٹا پاک ہے۔

(نزل الابرار:۱/۴۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''کتے کا جھوٹا پاک ہے اور کتا نجس نہیں ہے''

(لغات الحدیث:۲/۲۳:ذ)

نمازِ جمعہ کا وقت

حدیث نبوی: ڈاکٹر صاحب ''نماز جمعہ کا وقت'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا۔''

(نمازِ نبوی صفحہ ۱۲۷)

غیر مقلدین: لیکن اس حدیث کے خلاف غیر مقلدین کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ نمازِ جمعہ زوال سے پہلے پڑھنا بھی درست ہے۔

(الروضۃ الندیہ ا/۱۳۷۔ نزل الابرار:۱/۱۵۲۔ فتاوی اہلحدیث ۲/۲۲)

داؤد ارشد صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''نمازِ جمعہ زوال سے پہلے بھی پڑھی جاسکتی ہے''

(حدیث اور اہلِ تقلید ۲/۵۴۰)

مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں اگرچہ امام بیٹھ کر پڑھے

حدیث نبوی: ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بائیں طرف بیٹھ گئے اور بیٹھ کر نماز ادا کی اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کر تے اور لوگ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرتے۔"

(نمازِ نبوی صفحہ ۱۷۵)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر امام کسی مجبوری سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے جیسے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ بخاری میں ہے لم یأمرھم بالقعود کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بیٹھنے کا حکم دیا۔[بخاری ۱/۹۶]

غیر مقلدین: لیکن اس کے بر خلاف غیر مقلدین کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں۔

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

"اہلحدیث کا یہی مذہب ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر پڑھیں"

(تیسیر الباری ۱/۴۳۹)......مزید دیکھئے، توضیح الکلام صفحہ ۱۴۱۷

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھیں

حدیث نبوی: ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی وہ بلند آواز سے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم سراً (آہستہ) پڑھتے تھے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت رکھنے والے اس امر پر متفق ہیں کہ (امام کے لیے) بسم اللہ زور سے پڑھنے کی کوئی صریح روایت نہیں۔"

(نمازِ نبوی صفحہ ۱۹۰)

غیر مقلدین: لیکن اس کے برعکس غیر مقلدین کے ایک گروہ کی رائے ہے کہ جہری نمازوں میں بسم اللہ اونچی آواز میں پڑھنی چاہیے۔

(عرف الجادی صفحہ ۳۶)

”جہری نماز میں پکار کر اور سری نماز میں آہستہ سے پڑھنا بہتر ہے“

(دستور المتقی صفحہ ۹۲)

مزید دیکھئے، بدیع التفاسیر فاتحہ کی بحث۔

ضروری اعلان

مجلّہ راہِ ہدایت دسمبر ۲۰۲۵ء کا شمارہ ان شاء اللہ مسئلہ تقلید پر خصوصی نمبر کے نام سے شائع کیا جائے گا۔ علماء کرام سے درخواست ہے کہ مسئلہ تقلید پر اپنے گراں قدر مضامین اشاعت کے لئے ہمیں ارسال فرمائیں۔

عنوانات

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، تقلید کا ثبوت آیات قرآنیہ سے، تقلید کا ثبوت احادیث مبارکہ سے، تقلید کا ثبوت اجماع امت سے، تقلید کا ثبوت اقوال صحابہ سے، تقلید کا ثبوت علماء کرام سے، تقلید کا ثبوت غیر مقلدین سے، تقلید پر اعتراضات کے جوابات، ترکِ تقلید کے نقصانات، مشہور محدثین کا فقہی مذہب، مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلد تھا، مولانا وحید الزمان صاحب غیر مقلد تھا، وغیرہ

مضامین بھیجنے کا طریقہ کار

اپنے مضامین ان پیج فائل، ورڈ فائل یا ٹیکسٹ پیغام کی صورت میں درج ذیل نمبر پر ارسال فرمائیں۔

03428970409

شرائط وضوابط

مضامین لکھنے والے حضرات چند باتوں کا خیال رکھیں!

1) اہل علم کے ساتھ رائے کا اختلاف آپ کا حق ہے اور یہ حق آپ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ لہذا آپ ہزار بار اختلاف رکھیں لیکن کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کریں۔

2) علمی تنقید کریں اور الفاظ کے چناؤ میں مہذب انداز اختیار کریں۔

3) تنقیدی انداز اپنانے کے لئے اگر آپ حضرات درجہ ذیل اکابرین کا انداز اپنائیں تو ان شاء اللہ آپ کی علمی تنقید کسی کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور مخاطب سمجھے گا کہ مضمون نگار اللہ کے رضا کیلئے لکھ رہا ہے کسی کی ذات پہ نشتر لگانے کے لیے میدان میں نہیں اترا ہے۔

۱: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

۲: قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

۳: حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۴: بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۵: شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

4) مضامین میں احتیاط سے کام لے۔ حتی الوسع کوشش کریں کہ جہاں سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہو، ان کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ ایسی صورت میں آپ کے مضامین مجلہ راہِ ہدایت میں شائع نہیں ہوں گے۔

5) ہمارا مجلہ چونکہ خالص مسلکی ہے اس لیے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کوئی صاحب بھی مضمون بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

6) مجلہ راہِ ہدایت میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مضامین شائع ہوں گے۔

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور